



آج میری شادی کی پہلی رات ہے، بلکہ شادی کے بعد سسرال میں پہلی رات ہے۔ ابھی چند منٹ پہلے میری منہ ساس اور میرے شوہر کی گزرتی تھی اور پھر وہ گزری ہیں۔ منٹ لکھ سی شری لڑکیاں ہاتھوں ہاتھوں میں ایسے دو معنی پہلے کہہ دی تھیں کہ میری جھلی گردن شرم سے اور بھی جھلی جا رہی تھی۔

”ارے ہٹو لڑکیو! کیوں میری سس کو ہانک کر دے

ناولٹ



رہی ہو۔ چلو اب بھاگو اور چلے آئے ذرا آرام سے بیٹھئے۔“ میری ساس نے انہیں پیار بھری ڈانٹ پائی۔

”آرام۔ اور آج کی رات۔ یہ کریں گی۔ ہا۔۔۔۔۔ کیوں آپ؟“ نیلے سوٹ میں لباس شوخ چہرے والی لڑکی بلند آواز میں بولی تھی اور پھر خود ہی خوب ہنسی تھی۔ سب نے اس کی ہنسی کا ساتھ دیا تھا۔

”چھا جی! تم صرف باتیں نہ مضارو۔ یہ سارہ کا میک اپ تو ٹھیک ہے، تاہم تو ذرا ٹھیک کرو۔“ میرا تو ارسلان تنگ کر رہا ہے، قیند کی کمی اور سب آرام کی وجہ سے بہت چڑھا ہوا ہے۔ میں اسے سلاتے جا رہی ہوں۔“ میری منہ نے جاتے جاتے ان شریر لڑکیوں کو ہدایت کی۔

”ارے آپ! آپ فکری نہ کریں۔ جا کر اپنے پیٹیاؤ پیٹاؤ کو سنبھالیں۔ بھابی جان کا میک اپ تو ہم ایسے سیٹ کریں گے کہ عفان بھائی آتے ہی آپ سیٹ ہو جائیں گے۔“ دوسری شوخی سے بولی۔

”میک اپ تو ٹھیک ہے بلکہ زبردست ہے اور اس کی وجہ سے کیا ہے؟“ ہنسی میرے اوپر جھلی ڈانڈا سا لکھ کر میرے چہرے کا جائزہ لیا۔

”کیا وجہ؟“ دوسری مزے لے کر پوچھنے لگیں۔

”بھابی جان رخصتی کے وقت ذرا بھی نہیں روئیں۔ بھائی جان سے ملنے کی خوشی جو اس قدر زیادہ تھی پھر اتنے زبردست پار سے تیار ہو میں میک اپ بگڑنے کا اندیشہ۔ انہوں نے شرم ہو گیا کوہو نوں ہاتھوں پر قربان کر دیا۔ کیوں بھابی جان! وہ شوخی سے میری



آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ مجھے کچھ غصہ، کچھ شرم آئی۔ میں نے سر اوجھکالیا۔

گیہ۔ میرا دل اتنی زور زور سے دھڑکنے لگا جیسے سینے میں دل کی جگہ کسی لوہار کا ہتھوڑا ہو۔ ہاتھ یکدم ہی برف ہونے لگے۔ میں نے کمرن اور بھی جھکا لی۔

آئینہ دیکھ کر کہا۔ میں نے ایک زخمی نظر شیشے پر ڈال لیا۔ میری لپ اسٹک ہونٹوں کی آؤٹ لائن سے کھل کر بائیں طرف گال اور ٹھوڑی تک آگئی تھی۔ سارا میک اپ سارا چہرہ ہی جیسے بکڑ کر رہ گیا تھا۔

ڈھونڈ رہی ہیں۔ "اسی وقت مردانہ آواز کمرے میں گونجی۔ میں نے سر جھکانے سے پہلے دیکھ لیا۔ وہ عفتان ہی تھے۔ میں نے اپنی تصویر دیکھ رہی تھی۔ ہماری شادی خالصتاً "ارنچ" تھی۔

ہوں۔ حالانکہ میرے آنسو اب بھی بند رہے تھے۔
 "بہت تعریفیں کر رہے ہیں ہماری دلہن کی۔ بہت
 خوبصورت ہے بہت لگی ہو عفتان میاں جو ایسی حسین
 دلہن ملی ہے۔ پر ہم تو کہیں، لگی تو ہماری دلہن ہے جسے
 ہم جیسا دیکھا تھا ہے۔ کیوں سارے؟" انہوں نے کہتے
 ہوئے جھک کر میرا چہرہ ٹھوڑی سے چمکرا دیا تھا۔ میں
 نے آنکھیں زور سے چمکائیں۔ ایک دوسرے بعد ہی میں
 نے محسوس کیا۔ وہ بالکل چپ ہیں مگر مل رہے ہیں۔
 میں نے گہرا کر آنکھیں کھول دیں۔

وہ نہیں رہے تھے۔ بے آواز ہی۔ ان کے وجود کو تو
 ہمارے ہی محسوس کر رہے تھے اور غصہ آ گیا۔
 "یار! یہ مہو تو بالکل ہی تمہیں کارنوں بنا گئی ہے۔"
 انہوں نے ہنسنے کی بجائے اپنی ہسی ضبط کر کے کہا۔ "وہ مہو ذرا
 آئینے میں۔" انہوں نے ذرا پیچھے کھسک کر آئینہ
 دکھایا۔

میرا نیک الٹ کر سر رہا تھا۔ چھو مگر کان کے پاس الٹا
 ہوا تھا۔ ماتھے سے بیک کو متنگ لپٹ کر عجیب سا اشارہ مل
 بن گیا تھا۔ وہ سارے ایک طرف ڈھکا کا ہوا اور چہرہ۔
 لب اسٹک سارے منہ پر پھیلی ہوئی، ایک ہلکے آتری
 ہوئی دوسری ذرا سی الٹی ہوئی اور آنسوؤں کی لکیروں
 کے نیچے فائوڈیشن سے دھلی ہوئی جلد، کاہل کے
 وجہ واقفیت میں، میں تو ابھی خاصی کارنوں لگ رہی
 تھی۔ مجھے اور رونا آ گیا۔ میری ساری محنت اور پیہر
 برباد ہو گیا تھا۔

"سواری یار! مہو کی طرف سے میں معافی مانگ لیتا
 ہوں مگر کچھ کچھ اس روپ میں بھی بہت مت اچھی
 لگ رہی ہو۔ رینگی میں بالکل جھوٹ نہیں بول رہا۔"
 انہوں نے انگلی کی پوروں سے میرے آنسو صاف
 کیے۔

"اس آئینے کو چھو دو، میری آنکھوں کے آئینوں
 میں دیکھو نا آج کی رات روئے زمین پر تم سے بڑھ کر
 کوئی حسین نہیں جو ان آئینوں میں چمک سکے۔ دیکھو
 نا۔" ان کا رومانیک لہجہ، محبت بھرا احساس اور گرم
 گرم ہاتھوں کا لمس۔ میرے آنسو طال دکھ سب اڑان

چھو ہو گئے۔

"ایسے حسین روپ کے لیے یہ رومانی تو بہت حقیر
 ہے۔" انہوں نے آہستگی سے بریلڈ میز کی کانٹی
 میں پستانیا بٹھائی سے گجراؤ تھا۔

"واقعی تو گج کچ تھے۔ عفتان میاں لگی ہیں جو
 ایسی حسین دلہن ملی ہے اور عفتان کے بارے میں آپ
 کا کیا خیال ہے۔ میں آپ کے منہ سے سنتا چاہوں
 گا۔" وہ بالکل میرے قریب آ گئے تھے۔ میرا دل الٹا
 سیدھا ہونے لگا۔

اور چند لمحوں بعد میں بالکل بھول ہی گئی کہ ٹھوڑی
 دیر پہلے میں کس کوفت کے عالم میں رو رہی تھی اور
 ایک پاگل نے کس بری طرح سے مجھے نہج کیا تھا۔
 میرے اربابوں بھرے دل کا اس نے کیا حال کیا تھا۔
 میں نے یہی سوچا، وہ کوئی مہمان ہوئی اور عفتان کی محبت
 کے سمندر میں ڈوبتی چلی گئی۔

انگلی صبح بہت ہنگامہ خیز تھی۔ گھر مہمانوں سے بھرا
 رہا تھا۔ زیب آئی نے مجھے اور جگہ کر کا خوب بھاری
 گالہ لٹی سوت نکال کر دیا تھا۔

"سارہ! جلدی سے نماز کو کر آجاؤ ذرا تنگ روم
 میں۔ تمہارے گھر سے بھی ناشتہ آنے والا ہے۔ ابھی
 فون آیا تھا پھر کچھ امی کے خاص مہمان بھی بیٹھے ہیں
 جنہوں نے ناشتہ تمہارے ساتھ ہی کرنا ہے۔ کل تو امی
 نے کسی کو بھی تم سے متعارف نہیں کروایا تھا۔ آج
 سب ملنے کو بے چین ہیں۔" میرے کپڑے نکالتے
 ہوئے جلدی جلدی کہہ رہی تھی۔

میں تیار ہو کر بیٹھ گئی۔ عفتان کی کزن فرح نے میرا
 میک اپ کر دیا تھا۔ حالانکہ میں نے خود بھی پیمین کا
 کورس کر رکھا تھا اور اچھا میک اپ کر سکتی تھی مگر پہلے
 ہی دن میں یوں بڑھ چڑھ کر اپنا ہر کام خود میں کر سکتی
 تھی۔ وہ مجھے تیار کر کے ذرا تنگ روم میں لے گئی۔
 ڈھیر سارے مہمان بیٹھے تھے۔ میں نے پہلی آواز میں
 سب کو سلام کیا۔ میری ساس نے اٹھ کر میرا استقبال

کرتے ہوئے مجھے گلے سے لگا کر خوب پیار کیا، دعائیں
 دیں اور ساتھ ہی سب کا تعارف مجھ سے کرائے
 لیں۔ سب کی سربراہی ہوئی نظریں بتا رہی تھیں کہ
 میں ابھی لگ رہی ہوں۔ اس وقت میرے بھائی اور
 بھابھی ناشتہ لے کر آگئے۔ ابھی سے ماحول میں اپنے
 گھر والوں کو دیکھ کر میرے دل کو عجیب سی خوشی ہوئی۔
 پھر ناشتہ عفتان نے ہمارے ساتھ ہی کیا۔ شام کو
 ویسے کی تقریب تھی۔ مجھے سہ پہر میں ہی زیب آئی
 پار لے آئیں۔

"تم آج کل سے زیادہ اچھی لگ رہی ہو۔" زیب
 آئی نے مجھے پارلر کے گیٹ سے گاڑی میں بٹھاتے
 ہوئے کہا۔

"ویسے یہ نیچول سی بات ہے۔ دلہن پہلے دن کی
 نسبت دوسرے دن زیادہ اچھی لگتی ہے۔ محبت جو نیا
 روپ دیتی ہے وہ سب کو ہی نظر آتا ہے۔ ایک رات کا
 چاند۔" وہ سر ٹوٹ کر انداز میں میرے کان میں کہہ
 رہی تھیں۔ عفتان ذرا سینگ سیٹ پر بیٹھے تھے۔ مجھے
 خوب سی شرم آئی۔

ویسے کی تقریب اس وقت اور بھی حسین ہو گئی
 جب امی بھائی بھابھی اور میری بہن بھی آئی اور میری
 تین قریبی سہیلیاں بھی۔ گیسرے اور ویڈیو کی لائٹس
 میں میرا روپ اور بھی دمک رہا تھا۔ عفتان آتے جاتے
 چوری چوری مجھے دیکھ رہے تھے۔ میری دو چار بار ان
 سے نظریں ملیں تو انہوں نے مجھے آنکھ مار دی "اف
 توبہ! میں شرم سے پیسے دوہری ہو گئی۔"

"کیا منتر چوک دیا ہے عفتان بھائی نے۔ ایک
 رات میں ہی اتنی حسین ہو گئی ہو۔ میں تو نظر بھر کر دیکھ
 نہیں رہی۔" میری دوست فرزانہ میرے کان کے پاس
 بولی۔

"اگلا ماہ تمہیں بھی پتا چل جائے گا۔ کون سا منتر
 ہوتا ہے جو ایک ہی رات میں اثر کر جاتا ہے۔"
 رخشونہ فرزانہ کو چھیڑا جس کی اگلا ماہ شادی تھی۔
 "ہاں، تمہیں تو جیسے بہت تجربہ ہے نا۔"

"تجربہ ہے تو کہہ رہی ہوں نا۔ آخر سارہ سے چھ ماہ

ایک خطبہ
 سے لڑکی
 کے کہانی

آسیہ قریشی
 کا ایک ایسا
 ناول جو
 خواتین ڈائجٹ

میں قسط وار چھپا اور بے حد
 مقبول ہوا، آج بھی ہر لڑکی،
 خاتون یہ ناول پڑھنا چاہتی ہے
 اب کتابی صورت میں چھپ کر تیار

مجلد، خوبصورت سرورق، قیمت 400
 خواتین ڈائجسٹ

اُردو بازار کراچی
 ملنے کا پتہ
 • مکتبہ عمران ڈائجٹ اُردو بازار کراچی
 • لاہور ایکڈمی، 205 سرگودھا روڈ
 بیرون اُردو بازار، لاہور

سینہ زہوں۔ کیوں سارہ!"

رخشدہ نے تھک کر مجھ سے پوچھا۔ "ارے یار! گردن تو اونچی کرلو، تم تو پہلے دن کی دھن کی طرح شربا رہی ہو۔ ویسے کی دھن تو پھر پڑیدے کھار سب کو دیکھتی ہے، تمہاری ابھی تک شرم ہی تمام نہیں ہو پاری۔"

"وضع تمیز۔" میں نے اسے زور کی چٹکی کائی۔

"ہائے اللہ! دیکھا حال۔ اب سر تاج کی شان میں ایک لفظ بھی برواشت نہیں ہوتا محترمہ کو۔" وہ معنی خیز انداز میں بولی۔

"گھر جا کر تو میں تمہارا وہ حشر کروں گی کہ تم یاد کرو۔" میں نے دانت پیچے تو وہ ہنس دی۔

"سی لے بلبا میں تو ہوس ہی سے نہیں بائے کہہ دوں گی۔"

"تم جا کر دکھانا۔" میں نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

اور رات کی کھلی عفان کی جھپٹیں وعدوں اور عہدو بیایں کی کھلی کٹ پھٹات کرچے۔ ان تینوں کو سنائی تو پڑی کہ دل خود بہت ایک ایک کراچی پیرانی کی داستان سنانے کو چلا جا رہا تھا اور داستان کا اؤل حصہ یعنی "مہوئے" میں نے خود نہیں سنایا۔ ویسے بھی میرا ذہن اس کو بھول چکا تھا وہ دوبارہ مجھے نظر بھی تو نہیں آتی تھی۔

ویسے کی تقریب کے بعد میں اور عفان اہی کے ساتھ ہی کھڑے آئے تھے۔ اگلے روز مٹکا دسے کی رسم تھی۔ ایک ہی رات میں مجھے اپنا گھر اپنا پر ایسا سا لگنے لگا تھا اور وہ بیڑہ روم جہاں محض ایک رات گزارا تھی اپنے پی کمرے میں لیٹے ہوئے کئی بار یاد آیا۔

شادی کے چوتھے دن ہم دونوں ہنی مون کے لیے نکل گئے۔

"ارے بچے! جو تمہارے ماموں، چچا، پھوپھی دعوتوں کی لسٹ بنائے بیٹھے ہیں ان کو کیا جواب دوں۔ پہلے دعوتیں بھگتا جاؤ پھر چلے جانا کھوٹے پھر نہ۔" امی نے ہمارے جانے سے ایک رات پہلے آکر کہا۔

"امی! دعوتیں سب آکر۔ سارہ کے چچا اور خالہ وغیرہ نے بھی انوائٹ کر رکھا ہے مگر میری چٹھیاں کم ہیں۔ ہم گھوم پھر آئیں پھر دعوتیں وغیرہ تو آفس کے دوران شام کو بھی اینڈ کی جا سکتی ہیں۔" عفان نے سوٹ کیس میں اپنے ٹیڑے رکھتے ہوئے کہا۔

"چٹھیاں کتنی روٹی ہیں تمہاری؟" امی نے پوچھا۔

"صرف ایک ہفتے کی۔ ایک ہفتہ پہلے نو گھر میں بٹھا لیا تھا آپ نے۔"

"تیار ہی بھی تو بیچے تم نے ہی کرتا تھی۔ تمہارے دونوں بھائی تو بس مہمانوں کی طرح شریک ہوئے۔ چلو! پروا اچھا ہو یکہ اللہ کا شکر ہے، تم لوگوں کا جانے کا پروگرام کیا ہے تو ہو کو پھر خیریت سے واپس آؤ تو دعوتیں ہو جائیں گی۔" وہ ہاتھ کھنٹی ہوئیں۔

"اور سارہ بیٹا! زیور زیادہ نہ رکھنا۔ دودراز کے سفر میں کہیں ویرانی نہیں آبادی میں ٹپکے سے کالوں میں بندے ڈاکٹ اور ایک دو انگوٹھیاں پن لینا۔" وہ مجھے تاکید کرتے ہوئے بویں تو میں نے سر ہلا دیا۔ میرا خود زیادہ زیور لے جانے کا پروگرام نہیں تھا۔

اور وہ پانچ دن جیسے پانچ کیوں میں گزر گئے۔ مری، بصورتین، نقیہ علی، ایشیت آباد۔ میرا تو بہت دل تھا۔ کافان سوات والی سائیڈ پر جانے کو مگر عفان کی مجبوری تھی۔ ان کی چٹھیاں ختم ہو رہی تھیں۔

"آپ زیادہ چٹھیاں نہیں لے سکتے تھے۔" کشمیر پوائنٹ کی طرف جاتے ہوئے میں نے کچھ ناراضی سے کہا۔

"یار! زیادہ تو لی تھیں۔ کچھ تیاری میں گزر گئیں اور کچھ شادی میں۔ اب تین بیٹے کیا کم ہوتے ہیں۔ یہ اور بات کہ ان دنوں کا پتا بھی نہیں چلا۔ چلو پھر آئیں گے اگلی چٹھیوں میں۔ پراس۔" انہوں نے اپنے مضبوط ہاتھوں میں میرا ہاتھ لے کر کہا۔

"یہ ان دنوں میں کیے گئے دھڑے بھی بس ان دنوں جیسے ہوتے ہیں۔ لگتا ہی نہیں کبھی کیے گئے تھے۔ حسین یادوں کا حصہ بن کر رہ جاتے ہیں۔" میں نے

منہ بنا کر کہا تو وہ ہنس پڑے۔

"تمہیں بہت تجربہ ہے۔ چلو کوشش کریں گے" وعدہ نہ سہی پھر آنے کی۔

میں نے جھٹاکر سر ہلا دیا۔ مجھے پتا تھا اس کے بعد شاید ہی زندگی موقع دے۔ رات کو ساڑھے بارہ بجے ہم گھر پہنچے تھے۔ امی ہمارے انتظار میں جاگ رہی تھیں۔

"تم نے اچھا کیا روانہ ہونے سے پہلے مجھے فون کروا۔ میں نے کھانا تو تیار کر دیا۔" ورنہ تم لوگوں کو بہت مسئلہ ہو گا کیونکہ آج تو تمہارے بوے بھائی کی طرف سب کی دعوت تھی۔ زیب کل چلی جائے گی اس لیے انہوں نے رات کھانے پر بلا لیا تھا۔" امی نے ہمارے لیے کھانا لگا دیا ہوئے کہا۔

"سارہ! تم بہت خوش قسمت ہو، تمہیں اتنی محبت کرنے والی ساس ملی ہیں۔" امی نے میری ساس کا ہاتھ سے برتاؤ دیکھ کر کہا تھا۔ واقعی وہ بہت اچھی تھیں کم از کم ابھی تک تو اچھی ہی تھیں۔ مجھو واقعی بہت بھوک لگ رہی تھی۔ گرم گرم پکن لڑائی مشین پاؤ۔ رائیہ اور امی کے ہاتھ کے گرم گرم پھلکے بھوک کو اور پڑھا رہے تھے۔ پیٹ بھر کر کھانا کھاتے ہی ایسے خیرہ آئی کہ دن چڑھے بھی ہم دونوں کی آنکھ نہ کھل سکی۔ ایک تو سفر کی تھکان، دوسرے اپنے گھر کا آرام۔ ساڑھے نو بجے کسی نے زور سے دروازہ دھڑکایا۔

"آف ساڑھے نو بجے گئے۔" میں گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

"سو جاؤ یار! آج آخری چھٹی ہے، کل سے پھر وہی روٹین ورک شروع، صبح سے شام تک مصروفیت۔" مجھے اٹھنے دیکھ کر عفان نے کسندنی سے کہا اور کروت لے لے۔

"عفان بیٹا! اٹھ جاؤ۔ زیب کو جانا ہے، ایک بجے کی لکٹیں ہیں اس کی۔ دس تو بیٹے کو ہیں۔" امی کی آواز باہر سے آئی تو عفان چھلانگ لگا کر اٹھے تھے۔

"وہ مجھے تو یاد ہی نہیں رہا کہ آج آپ کی کو جانا ہے۔ بہت بری بات، ہم رات سے آئے ہیں اور ان سے

ملے بھی نہیں اور اب تک سو بھی رہے ہیں۔" ان کی ساری سستی رفع ہو گئی تھی۔

"نہیں نہیں سو جائیں۔ آج آخری چھٹی ہے۔ کل سے پھر وہی ورک شروع۔" میں نے فوراً ان کی نقل انداز کی تو وہ ہنسنے ہوئے ہاتھ روم میں گھر گئے۔

امی ناشتہ تیار کر چکی تھیں بلکہ میری دوسرے نمبری جھپٹلی بھی ان کے ساتھ ہی بچن میں مصروف تھیں۔ ان لوگوں کا گھر پن چکا تھا۔ بس ایک آدھ ہفتے میں ہی انہوں نے اس میں شفٹ ہو جانا تھا۔ میری جھپٹلی نے مجھے خود ہی بتایا تھا۔

زیب آپنی اپنی بیٹنگ میں ابھی ہوئی تھیں۔

"زیب بیٹا! ابھی جاؤ۔ پہلے ناشتہ کرو پھر بچا کھچا سمیٹ لینا۔ رات سے تمہاری بیٹنگ ہی مکمل نہیں ہو پاری۔" امی نے آواز لگائی۔

"امی! بچوں کے کیڑوں نے پاگل کیا ہوا ہے۔ کسی کی نگر ہے تو شرت نہیں۔ پیٹ ہے تو جوتا نہیں۔ حالانکہ سارے فنکشنز کے دوران سب کچھ سمیٹ کر رکھتی رہی ہوں پھر بھی۔" وہ باہر آتے ہوئے بولیں۔

"بچوں کے ساتھ بھی کچھ ہوتا ہے، تم پہلے ناشتہ کرو۔ یہ مہو کہاں ہے اسے بھی آواز دو۔ اگر کچھ کھا لے۔" امی کے بیٹلے نے سلاکس اٹھا کر میرا ہاتھ دہیں روک دیا۔

"مہو! میرے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔" یہ ابھی تک نہیں ہے۔

"امی! اس نے کھانا کھالیا ہے۔ رات کا پاؤ گرم کر دیا تھا میں نے۔" زیب آپنی نے جواب دیا۔

پھر بارہ بجے کا پتا بھی نہیں چلا۔

"آپنی! جلدی کریں میں نے سارا سلان ڈگی میں رکھ دیا ہے۔ آپ بس اب بیٹھے کی کریں۔ دیر ہو رہی ہے۔" عفان نے آکر کہا۔

"ہاں چلو میں بھی تیار ہوں۔" انہوں نے اپنا ہونڈیہ سیٹ کیا۔ تینوں بچے پہلے ہی بھاگ گئے تھے ماموں کے

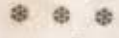
چھپے زب آتی ہی سے گلے لگ کر رونے لگیں۔
 "میری بچی! روتے ہوئے نہیں جاتے، خیر سے سہل
 کئے تسمار لے جاتے ہی فون کرنا۔ بس اب عفان کی
 شادی کر دی ہے، میں فارغ ہوں۔ لگاؤں کی جلد ہی
 تمہاری طرف چکر۔" اسی نے انہیں دلاسا دیا۔
 "بس کتنی ہیں، اتنی کب ہیں آپ۔" انہوں نے
 اپنے آنسو صاف کئے۔
 "آپنی چلیں نا، نام، یکیں آپ۔" عفان نے پھر
 آکر کہا۔
 "سارہ! تم بھی آجاؤ، ہمیں سی آف کرنے۔"
 زبب آتی نے جاتے جاتے مجھ سے کہنا تو میں نے چھپا
 کر سنبھل عفان کو اور پھر ہی کو کھلا۔ عفان نے بھی مجھے
 ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

"ہاں ہاں، چلی جاؤ۔ سارہ! کوئی حق نہیں۔" اسی
 نے فریادیں سے کہنا تو میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ زبب آتی
 آگے بڑھ گئی تھیں۔ میں ان کے بچوں کے ساتھ چھپے
 بیٹھ گئی تھیں۔ دوسری کھڑکی کی طرف موڑ لی تھی۔
 سب سے لا تعلق اپنے آپ میں مگن اپنے ہاتھوں سے
 کھیتے ہوئے۔
 "اچھا تو یہ زبب آتی کے ساتھ تھی۔" میں نے
 کن اکھیں سے اسے دیکھتے ہوئے سوچا۔
 گاڑی چل پڑی۔ رستے میں ہلکی پھلکی باتیں ہوتی
 رہیں۔

"آئی! جاتے ہی فون کر دیجئے گا۔ ویسے میں نے
 منزل بھائی کو فون کر دیا تھا۔ اب جا کر پھر کروں گا وہ
 اسٹیشن پر پہنچ جائیں گے۔" عفان نے آتی کو اور بچوں
 کو گاڑی میں بٹھاتے ہوئے ناکید کی۔
 "اچھا، بس سارہ! خوش رہو، سب کا خیال رکھنا اور
 تم دونوں نے کراچی ضرور آنا ہے۔ عفان نے مجھ سے
 اگلے ماہ آنے کا وعدہ کیا ہے۔ تم بھی اسے یاد دلاتا۔
 میں کراچی جا کر بھی فون کروں گی۔ نہ آئے تو ناراض
 ہو جاؤں گی۔" انہوں نے پیار سے مجھے گلے لگاتے
 ہوئے کہا۔

اسی وقت گاڑی نے وسل دی تو ہم دونوں الوداعی

کلمات کہتے ہوئے گاڑی سے نیچے اتر آئے۔ گاڑی
 آہستہ آہستہ اسپید پکڑنے لگی۔
 "آف تو یہ کس قدر رش تھا۔ گری بھی رش کی وجہ
 سے بڑھ جاتی ہے۔" گاڑی کی ڈرائیو تک سیٹ پر بیٹھتے
 ہوئے عفان نے میرے لیے دوسری طرف کا دروازہ
 کھولا۔ میں بیٹھتے بیٹھتے دھک سے رہ گئی۔ موسم نے
 سے پچھلی سیٹ پر بیٹھی پیس کھاری تھی۔ اس کی
 کینوں جیسی آنکھیں دھوپ میں اور بھی چمک رہی
 تھیں۔ میرے اندر جیسے کچھ ٹوٹ پھوٹ سا کیا۔
 "آپنی چلی گئی۔ ہی ہی۔" بھائی! آتی چلی گئی۔
 کوئی بات نہیں، کوئی بات نہیں۔" وہ کہہ کر مزے
 سے پھر پیس کھانے لگی۔ عفان نے گاڑی اشارت
 کر دی۔



"مہر ایک سال کی تھی جب اسے ٹائیفائیڈ ہوا۔
 ان دنوں امی کے ہاں چوتھا بیٹا ہوا۔ ڈیویری کے دوران
 ایسی ہیچید گئیں ہو گئیں کہ آپریشن کرنا پڑ گیا۔ پھر بچہ
 بے حد کمزور تھا۔ ہمارا سارا کھانا الٹ پلٹ ہو گیا۔
 بھائی دونوں بڑے تھے۔ انہیں کھداری سے کیا
 مطلب۔ زبب آتی بڑی تھیں مگر اتنی بھی نہیں کہ
 امی کی جگہ گھر سنبھال سکتیں۔ خود ان کے انکزام
 ہو رہے تھے۔ ابو نے ایک کل وقتی ملازمہ بھی رکھی
 چھوٹے بچے اور مہر کی دیکھ بھال کے لیے۔ گھر کے
 کاموں کے لیے ماسی علیحدہ سے آتی تھی۔ مہر کا بخار
 ہی کم نہیں ہو رہا تھا۔ وہ شاید امی کو پس کرتی تھی۔
 اور امی کی حالت اچھی خاصی خستہ تھی۔ اچھے بیٹھنے
 سے وہ عاجز تھیں پھر چھوٹے بچے کو سنبھالنا جو کہ بے
 حد کمزور تھا۔ یہی کمزوری اس کی موت کا سبب بن گئی۔
 وہ تو تین مہینے میں چھپوٹ ہو گیا۔

اچھے علاج اور توجہ کے باوجود وہ اپنی زندگی ہی اتنی
 لکھو اکڑ گیا تھا۔ ہم سب کو بے حد صدمہ تھا۔ امی کا ہم
 سب سے سولہ ایک تو اتنی تکلیف اٹھائی پھر وہ بھی بچ
 نہ رہا۔ ابھی مرنے کے چندے سے ہم بچے بھی نہ

تھے کہ ڈاکٹر نے مختلف ٹیسٹ کرنے کے بعد بتایا کہ
 مہر کا ٹائیفائیڈ بخار اس کے دماغ پر اثر کر گیا ہے۔ دوا
 باقاعدگی سے نہ استعمال کرنے کی وجہ سے بخار کے
 جراثیموں نے اس کے دماغ کے خلیوں پر حملہ کر دیا
 ہے۔ اس کے دماغ کے دو خانے مکمل طور پر تباہ ہو گئے
 ہیں جس کا نتیجہ ذہنی مفلوکی کی صورت میں نکل سکتا
 ہے۔ ہمارے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ابو نے پھر شہر کا
 کوئی کنسلٹنٹ نہ چھوڑا جس سے مہر کا علاج نہ کروایا
 ہو مگر سب بے سود۔ وہ بچوں بچوں ہوتی گئی اس کی
 دماغی کمزوری واضح ہوتی گئی۔

آج اٹھارہ سال کی عمر میں بھی اس کا دماغ پانچ چھ
 سال کی بچی کی طرح کام کرتا ہے۔ آج تک ہم نے اس
 کے علاج میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ایلیوینٹک
 ہومیو پیتھک، ٹیورنڈنڈے، حکمت کچھ بھی تو امی نے
 نہیں چھوڑا کہ کسی طرح اس کی دماغی حالت کچھ ہی بہتر
 ہو جائے مگر کچھ بھی افادہ نہیں ہو سکا۔

پھر اسے ذہنی طور پر معذور بچوں کے اسکول میں
 بھی ڈالا گیا وہاں یہ چھ سال تک جاتی رہی مگر خاص
 تبدیلی نہیں آئی۔ انارہو دوسرے تیسرے بچے یہ زخمی
 ہو کر آجاتی یا کسی بچے کو زخمی کر آتی۔ اسکول والوں کی
 مسلسل شکایتوں پر بلا آخر ابو نے اسے اسکول سے اٹھا
 لیا۔ اب یہ گھر پر ہی رہتی ہے۔

ویسے تو کوئی بڑا نقصان نہیں کرتی نہ کسی کو مارتی
 جیتی ہے مگر کبھی کبھار جب اسے دورہ پڑتا ہے تب
 کچھ بے قابو ہو جاتی ہے مگر اب یہ کیفیت بھی خاصی کم
 ہو گئی ہے۔ اصل مسئلہ تب ہوا جب بڑے بھیا کو اپنے
 کسی دوست کی بہن پسند آگئی۔ انہوں نے امی کو
 بعد شوق ان کے گھر رشتہ لینے کے لیے بھیجا تو ان
 لوگوں نے کور ابو اسے دیا۔

"ہماری بیٹی کیا فاقو ہے کہ ہم اسے پاگل خانے میں
 بھیج دیں۔ آپ شریف لوگ ہیں۔ بیٹا بھی آپ کا
 ہمیں پسند ہے مگر اس کی ایک ہی شرط ہے یا تو مہر کو
 میٹل ہسپتال میں داخل کروادیں یا ہماری بیٹی کو علیحدہ
 گھر لے کر دیں۔" ظاہر ہے ان کی دونوں شرطیں ہی

اس قدر ناممکن تھیں ابو نے کہاں مانا تھا۔
 بڑے بھیا نے کچھ دن بدنگاہ کیا پھر خود ہی چپ
 ہو گئے۔ اگر وہ علیحدہ گھر لینے کی پوزیشن میں ہوتے تو
 شاید لے بھی لیتے مگر ابھی تو ان کی جیب کو زیادہ عرصہ
 نہیں ہوا تھا اس لیے چپ کر کے بیٹھ گئے۔

اس کے بعد امی نے تین چار جگہ ان کی بات
 چلائی۔ خاندان کے اندر بھی اور باہر بھی۔ کسی نے
 صاف اور کسی نے ڈھکے چھپے الفاظ میں یہی عذر پیش
 کیا۔ اب بڑے بھیا جیسے اپنی شادی سے باہر ہو چکے
 تھے، ہر وقت غصے کی حالت میں رہتے۔ چڑچڑاہٹ ان پر
 طاری رہنے لگا تھا۔ ہر سال امی ابو نے دن رات
 کوشش کر کے ظاہر بھی مہر کے گھر والوں کو راضی
 کر لیا اور بھیا کی شادی کر دی۔ شادی ہو گئی۔ سب
 معاملات خوش اسلوبی سے انجام پائے۔ شادی کے بعد
 کچھ دن تک امن رہا مگر پھر بھیا کی چیخ و پکار شروع
 ہو گئی۔ مہر موقع یا کر ان کے کمرے میں ٹھس جاتی۔
 ان کے میک اپ کا سامنا تباہ کرتی۔ ان کے خرچے کو
 چھری یا کسی تو کھلی چیز سے کھنچ آتی پھر بھیا نے
 کمرے کو لاک کرنا شروع کر دیا۔ اس کا بھی خاص
 فائدہ نہیں ہوا۔ اب ہر وقت ان کی چال ہی مہر پر ہوتی جو اکثر
 مہر چھپا دیتی۔ دودھ کمرے کا لاک توڑتا پڑا اور آخری
 ستر۔ "عفان نے گھر اس اس لیا۔

بھیا بھی ریگنٹ تھیں۔ شاید دوسرا تیسرا ماہ تھا کہ
 مہر کو دورہ پڑ گیا۔ اس نے بھیا کی زوردار دھکا دیا۔
 بھیا بھی کی چیخوں پر سارا گھر اکٹھا ہو گیا۔ ان کا حمل ضائع
 ہو گیا اور وہ اپنے والدین کے گھر چلی گئیں اور واپس
 آنے سے صاف انکار کر دیا کہ جب تک بڑے بھیا ان
 کے لیے علیحدہ گھر کا انتظام نہیں کر دیتے پھر ابو نے
 خاموشی سے بھیا کو ایک چھوٹا سا گھر لے دیا اور اس گھر
 میں ان کا حصہ ختم کر دیا۔ بھیا نے خوشی خوشی اپنا سامان
 سمیٹا اور نئے گھر میں شفٹ ہو گئے اور امی ابو کے دکھی
 دلوں کی پروا کیے بغیر چلے گئے۔ بھیا بھی تو دوبارہ ادھر آتی
 ہی نہیں۔ "عفان نے رک کر میرے چہرے کے
 تاثرات کو دیکھا۔

”اس کے بعد چھوٹے بھائی کی باری تھی جن کی منگیلی بچپن ہی سے ہماری خالہ کی بیٹی سے ملے تھی۔ بڑی بھانجی کی دکھ بھری داستان کا اثر اوس بھی ہو چکا تھا۔ خالہ شادی کی تاریخ دینے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔

”تبا! آپ موم کو اتنے تو ادھر سے بن گئے ہیں آج کل کسی ادھر سے داخل کروا دیں۔ شاید اس کی حالت کچھ بہتر ہو جائے۔ پہلے ہی اس نے طاہرہ کے ساتھ اتنی زیادتی کی ہے مومنا تو بے گناہ اور دل کی۔“ وہ باتوں باتوں میں سنا جاتیں۔

”مومو کے ابو نہیں مانتے۔ بہر حال انہوں نے مومنا کے لیے لوہہ والا پورشن تیار کروا دیا ہے۔ مومنا اور ہی رہے گی۔ اس کا مومو سے اتنا واسطہ نہیں پڑے گا۔“ اسی کی بات پر خالہ کے دل کو کافی تسلی ہو گئی تھی اور انہوں نے شادی کی تاریخ دے دی۔ شادی ہو گئی مگر مومو کا آزار مومنا کے لیے موجود تھا مومو اکثر نظر بچا کر اوپر چلی جاتی اور مومنا کے سارے سیٹ اپ کو آپ سیٹ کر آتی پھر مومنا کو لوٹا کر مومنا کو بھائی کی جگہ پر کار زیادہ۔

”آخر اس پاگل کو آپ پاگل خانے کیوں نہیں چھوڑ آتے۔ آخر کب تک ہم اس کا پاگل پن جھیلیں۔ میری برداشت کی حد ہو چکی ہے۔“ وہ امی ابو کے سامنے بلا خوف چلاتے۔

”میاں! تمہاری برداشت کی حد تمام ہو رہی ہے تو تم یہاں سے چلے جاؤ۔ میں مومو کو کسی پاگل خانے میں داخل نہیں کرواؤں گا۔“ ابو صاف جواب دے دیتے پھر یہ جنگ روزی ہونے لگی۔ اب اگر مومو کچھ نہ بھی کرتی تو بھی مومنا کا مزاج ہر وقت بگڑا ہی رہتا پھر امی نے زیب آپنی کار شہ طے کر دیا۔ اس میں بھی سور کلو میں آئیں۔

”بن ایسی ہے کہیں زیب کے بچوں میں اثر نہ آجائے۔“ دو ایک نے ڈر کر جواب دے دیا۔ امی بے بسی سے دیکھتی رہ گئیں۔ بلا آخر امی نے اپنے ایک دور پرے کے کزن جو کراچی میں رہتے تھے ان کے بیٹے سے آپنی کار شہ طے کر دیا۔

ابو نے آپنی کی شادی پر ہی چھوٹے بھائی کو پلاٹ لے دیا اور ساتھ میں کچھ رقم بھی دے دی۔ ”تم بڑے آرام سے اپنا کھرتار کر کے جاسکتے ہو۔ اس گھر کے ترکے میں اب جہازرا کوئی حصہ نہیں۔ یہ گھر اب صرف عفتان اور زیب کا ہے اور مومو کا تو ہے ہی۔“

ابو نے زیب آپنی کی مندی کی رات پلاٹ کے پیچے زاور رقم چھوٹے بھائی کو تھماتے ہوئے کہا۔ ان کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ انہوں نے کچھ اور رقم انہی کی اور آہستہ آہستہ گھر بنوانا شروع کروا دیا۔ ابو نے زیب آپنی کی شادی کے بعد صرف چھ ماہ زندہ رہے۔ اللہ نے انہیں میری خوشی دیکھنے کی مہلت ہی نہ دی۔ ورنہ تم دیکھتیں وہ کس محبت اور خوش دلی سے تمہارا استقبال کرتے۔ وہ بر ملا سب سے کہا کرتے تھے۔ ”دیکھنا میرے عفتان کی دلہن اس گھر کی اصل ہو ہوگی۔ مومو کی اصل بھانجی۔“ میرے رشتے کے سلسلے میں کوئی رکاوٹ اس لیے بھی نہ ہوئی کہ مومنا دنوں زیب آپنی کے پاس کراچی گئی ہوئی تھی۔ ڈیڑھ ماہ اور ہی رہ کر آپنی کے ساتھ شادی میں شرکت کے لیے آئی، اس لیے شاید جہیں اس کے بارے میں علم نہیں ہو سکا۔ ویسے ہم نے چھپایا نہیں تھا۔ امی نے تمہاری امی سے مومو کا ذکر کر رکھا تھا۔ وہ شاید جہیں بتا بھول گئی تھیں۔

”اتنی بڑی بات اور وہ مجھے بتانا بھول گئیں۔“ میں دل میں جھج کر رہ گئی۔ ”اب سو جاؤ، مجھے صبح آفس بھی جانا ہے۔ نیند بھی بہت آ رہی ہے۔ تم مجھے اس لیے بھی پسند آتی ہو کہ تم میں برداشت بہت زیادہ ہے۔ تحمل مزاج ہو بھانجی اور مومنا کی طرح کم تحریف نہیں کہ اس معصوم سے خواہ خواہ کی پر خاش رکھ لو۔ سارا بہت اچھی ہے بہت معصوم۔ وہ بالکل بچوں کی طرح ہے۔ اگر اس سے برا سلوک کرو تو وہ ری ایکٹ کرتی ہے ورنہ اس کا وجود بالکل بے ضرر ہے۔ تم بالکل بھی اس کے متعلق ذہن پر کوئی بوجھ نہ لیتے۔ امی کو مجھے ہم سے بہت امیدیں ہیں۔ لو کہ گڈ نائٹ۔“

گرمی لگے یا ہوں گرمی دانے دیر تک، ایئر کنڈیشنر جیسی ٹھنڈک پائیں

انگلش پریکٹی ہیٹ کریم سے سخت گرمی یا گرمی دانے
دونوں صورتوں میں ٹھنڈک کا لطیف احساس اور یقینی آرام

Super Cool



پاؤڈر اڑ جائے جبکہ
انگلش پریکٹی ہیٹ کریم جذب ہو کر اثر دکھائے
چکنائی سے پاک کپڑے داغ دھبوں سے محفوظ

وہ ساری امیدوں اور خوش فہموں کا انبار مجھ پر لا د
کر مزے سے کھٹ لے کر سونے پر دیکھے بغیر کہ
اب میری آنکھوں میں دور دور تک شیند نہیں تھی۔

اس کے بعد میری زندگی کی المیہ کافی شروع ہوئی
ہے جو ہمو کے وجود کے دکھ پر شروع ہو کر ہمو پر ختم
ہوئی ہے۔ کوئی مجھ سے پوچھے دنیا میں سب سے بڑی
تکلیف کون سی ہے تو میں کہوں گی۔ ہمو کا وجود اس کا
ہونا۔

میری مون کے بعد میں امی کے گھر ایک ہفتہ رہ آئی
تھی۔ اس کے دو تین دن بعد امی نے مجھ سے کہہ دیا کہ
اور گرد کے گھروں میں بھجوا دی اور مجھے باقاعدہ چو لہا
چو کا سونہ دیا کیونکہ میری شادی کو ایک ماہ ہو چکا تھا
دعوتیں بھی تمام ہو چکی تھیں اور بور کے لڈو بھی
کھائے جا چکے تھے بلکہ ہضم ہو چکے تھے۔ میں بد حرام
تھی نہ کلام جو راور نہ ست گھر ہمو!

"افس۔ کاش میری شادی عفتان سے نہ ہی ہوئی
ہوتی۔" میں ہمو کو دیکھ کر یہ تکلیف دہ خواہش بھی
کر کر زنی کہ اب کم از کم عفتان کے بغیر جینے کا تصور بھی
میرے لیے موت سے بڑھ کر ہمارا ہمو کا کیا کہوں کہ یہ
مجھے نظرنے آئے گرایا ہو نہیں سکتا تھا۔

عفتان عام دنوں میں تو شام کو لیٹ ہی آتے تھے۔
اس لیے بچے ساتھ ہی دینا پڑا تھا مگر فریڈے اور
سنڈے کو وہ گھر پر ہی کرتے تھے اس لیے ان دو
دنوں میں میں کھانے میں خاص اہتمام کرتی تھی۔ اس
دن بھی جمعہ تھا اور میں نے عفتان کی فرمائش پر قہر
بھرے کر بیٹے سے اور ساتھ آکھو رہ۔ مجھے کچن
میں تین گھنٹے لگ گئے۔ میں نے روٹیاں پکا کر ہاٹ پٹ
میں رکھیں اور خود نمائے کے لیے اپنے کمرے میں
آگئی۔ عفتان آچکے تھے اور جمعہ پڑھنے گئے ہوئے
تھے امی اپنے کمرے میں نماز پڑھ رہی تھیں۔

"یہ ہمو کی پکی کباب ہے کھلی دیر سے مجھے نظر نہیں
آئی۔" اپنے کمرے کی طرف آتے ہوئے مجھے خیال

آیا اور جیسے ہی میں نے کمرے کے اندر قدم رکھا میری
بے اختیار چیخ نکلی۔ ہمو نے سارا کمرہ کس کس
رکھا تھا۔ میک اپ کا سارا سامان کھلا ہوا اور بکھرا ہوا
تھا۔ ساری اپ اسٹیکس کھولی ہوئی تھیں۔ ڈرننگ
ٹیبیل کا شیشہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اپ اسٹیک سے اس
نے سارے شیشے کو کھنکڑ کر رکھا تھا۔ بیڈ شیٹ پر دے
سب ہی پر طبع آزمائی کی تھی اس نے اور اس کا انعام
کسی جو کر سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ پر ٹیوم کی کھلی
شیشیاں کچھ نیچے گری تھیں کچھ بیڈ پر اور ایک اس
کے ہاتھ میں تھی جس سے وہ اپنے پاؤں میں اس پرے
کر رہی تھی۔ سارے کمرے میں خوشبو میں ہی
خوشبو میں تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی اس کی کچنوں
جیسی آنکھوں میں اور چمک آگئی۔

"ہی ہی۔ بھائی! یہ اچھی ہے۔ یہ میں نے کیا
ہے۔ ہمو نے اچھا ہے۔ ہی ہی۔ کوئی بات
نہیں۔ کوئی بات نہیں۔" وہ زور زور سے تالیاں پیٹتے
گئی۔

"کئی شیز کی کٹ کھلی پڑی تھی۔ آوے شینڈ نیچے
کارپٹ پر لڑکھے ہوئے آوے ڈرننگ ٹیبیل پر تھے۔
"میں اچھی لگ رہی ہوں۔ ہے نا ہی ہی۔
بھابھی! میں اچھی دلمن۔" وہ بے اختیار زور زور سے
ہنسنے جاری تھی اور میں وہیں چوتھ پینٹ کر رہے ہی
سے روئے گئی۔

"ہائیں! یہ تم اور کھول بیٹھی ہو۔" اسی وقت
عفتان آگئے۔ مجھے یوں پیٹنے دیکھ کر حیرت سے بولے
پھر جوان کی نظر کمرے پر اور ہمو پر پڑی وہ بھی اچھل
ہی پڑے۔

"ہمو کی پکی! یہ کیا کیا تم نے۔" وہ زور سے
چلائے۔

"بھائی! میں اچھی ہوں۔ ہوں نا۔ ہے نا۔ میں نے
یہ سرخی لگائی۔ اور اور بھابھی جیسی۔ میں پیاری
ہوں نا۔ ہی ہی۔" وہ اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر کر
ہنسنے جاری تھی۔

"اکی۔ اکی۔ اور آکر دیکھیں۔ اس ہمو کی پکی

نے کمرے کا کیا شریا ہے۔" عفتان چلائے۔
"تم اچھے کر کھڑی ہو اس طرح کیوں بیٹھی ہو۔"
انہوں نے مجھے ہاتھ سے پکڑ کر اٹھانا چاہا۔ میں اور
دھواں دھاروئے گئی۔
"کیا ہوا کیا کیا ہے ہمو نے؟" امی حواس پابندی
بھائی آئیں۔

"کو تیرا استیاس ہوا تجھے کب عقل آئے گی؟
نامہ اور کتنی میری زندگی عذاب کرے گی۔ تجھے موت
بھی نہیں آئی منھوس۔" امی نے کمرے کا شریا دیکھ کر
ہمو کو دینا شروع کر دیا۔

"میں۔۔۔ کچھ نہیں کیل۔ میں اچھی ہی ہی۔
ای ای کوئی بات نہیں۔" وہ پیٹتے ہوئے بھی بولے
جاری تھی۔

"امی اس کو کیوں مار رہی ہیں۔ یہ تو بے وقوف ہے۔
اسے کیا پتا۔ مت ماریں آپ اسے۔" عفتان نے
جلدی سے آگے ہو کر امی کے ہاتھ پکڑ لیے۔

"یہ بے وقوف ہے یہ بے وقوف ہے۔ غیبت
دور۔ اس نے میری زندگی سے ہر خوشی ہر موزونہ کر دیا
پھر بھی نہیں مرنی۔ اتنی دنیا مرنے سے اور لوگ کا جرموں
کی طرح کٹتے ہیں۔ کسی کئی اس کو کیوں نہیں آتی۔
میرے سینے کا درد۔" امی عفتان سے لپٹ کر رونے
لگیں۔

"امی! پلیز۔ حوصلہ کریں! ہر انسان اپنی لکھی عمر
جیتا ہے۔ آپ کیوں اسے بدعالمیں دے رہی ہیں۔
مجھے تو سمجھ آئے گی اسے بھی۔ آپ مت رومن،
طبیعت خراب ہو جائے گی آپ کی۔" وہ ماں کو گلے
لگائے انہیں دلا سے دیے جارہے تھے اور روٹی کھاتی
پتلی نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں ٹھٹھے میں پتلی باہر
نکل گئی۔

پھر دونوں ماں بیٹے نے مل کر میرا کمرہ ٹھیک کیا جو
میک اپ ٹھیک حالت میں تھا اسے بیڈٹ میں رکھا
اور جو خراب ہو گیا تھا اسے ڈسٹ بن میں۔ میں نما
دھو کر بنا کچھ کھائے پنے شام تک کمرے میں بیٹھی
رہی۔ امی نے عفتان نے میری بست ختمیں لیں

کھانے کے لیے عمر میں نے ایک سی ضد پکڑے رکھی
کہ مجھے ہموک نہیں۔

"سارہ! پلیز۔ اب تو اٹھ جاؤ! شام ہو چکی ہے۔
دیکھو! اگر وہ اتنی عقل اتنی سینس رکھتی تو رونا کس
بات کا تھا۔ دیکھو! معاف کرو اسے میری خاطر۔ چلو
انھوں میں تمہیں سارا میک اپ نیا دلا دیتا ہوں!
پرامس۔ چلو تم موڈ تو ٹھیک کرو! ابھی چلتے ہیں۔"
عفتان میری منت کر رہے تھے۔

"آپ کو میرے موڈ کی کیا پروا! جب دوسرا کا کھانا
بھی کھا لیا میں کے ساتھ۔ سارا دن بھی خوش گھوٹوں
میں گزار لیا۔ میں کیا لگتی ہوں آپ کی۔ آپ چلے
جائیں یہاں سے۔" میں تڑپ کر رہے ہوئی۔

"تمہاری جان کی قسم جو تین گھنوں سے زیادہ کھایا
ہو۔ وہ بھی صرف امی کی خاطر۔ انہوں نے دوا جو لینی
تھی۔ امی بھی دوسرے روز ہی میں ہمو کی حرکت کی
وجہ سے وہ بھی بہت شرمندہ ہیں۔ تمہارا غصہ اور
خراب موڈ انہیں اور پیچیدہ کر رہا ہے۔ پلیز اب تو اٹھ
جاؤ! میری خاطر۔ چلو آج باہر نر کریں گے۔ تمہیں
شاپنگ بھی کروا دوں گا اور خوب لمبی ڈرامیو بھی کریں
گے! اگر تم کو کھانا ہو تو وہاں پر کچھ دیر اور بھی رک
جائیں گے۔" وہ مجھے منانے کے لیے ہر کر آزمایا رہے
تھے۔

کچھ میرا دل نرم تھا کچھ امی کے رونے کا سن کر
شرمندگی ہوئی کچھ شاپنگ اور زور کا سن کر پھر میں نے
زیادہ شمس نہیں کروائیں اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔
"آپ ہر روز تو مجھے شاپنگ نہیں کروا سکیں گے،
روز تو یہ ہر جانے نہیں پھر سکیں گے۔ معصوم ہمو کی
ٹانہوں کا مجھے کوئی حل بتائیں۔" میں نے ہنوز موڈ
خراب کر رکھا تھا۔

"آکر سوچتے ہیں! اس کا حل دونوں مل کر۔ تم میرا
ساتھ دینی ہو تو پھر میرا دل بھی خوب چلتا ہے۔ تم یوں
روٹھ کر منہ بسور کر بیٹھ جاتی ہو تو ساتھ میری عقل کام
ہی نہیں کرتی۔ چلو راستے میں مشورہ کریں گے۔ تم
فائنڈ تیار ہو جاؤ پھر امی سے مل کر چلتے ہیں! آج خوب

انجوائے کریں گے تم تیار ہو کر آجاؤ۔ میں اسی کے پاس ہوں۔"

وہ کہہ کر چلے گئے تو میں بھی بلکے دل کے ساتھ تیار ہوئے چل دی۔ شاپنگ بیڈر آئیہ ڈنڈا اور عفتان کی محبت بھری مہینی۔ میرا دل چاہے ہوؤں میں اڑ رہا تھا۔ مگر یہ خوشیاں بھی تو کھانی تھیں عفتان ہر نقصان پر مجھے اسی طرح توجہ نہ دے سکتے تھے۔ دے دے بھی وہ کون سا لینڈ لارڈ تھے۔ تنخواہ دار ملازم تھے۔ کئی جتنی رقم ہاتھ آتی تھی مہینے بھر کی محنت کے بعد وہ تو سنے سنے دنوں کا چھارم تھا۔ انہوں نے مجھے میک اپ کا کافی سائن بھی خرید دیا اور ڈرن بھی کرادیا۔

مگر اس روز جب مہوے میرا نیا قیمتی چیز کا سوٹ تیار کیا تو میں نے پریس کر کے بند کر رکھا تھا۔ شام کو میرے پیچھے کی سالگرہ تھی۔ مجھے چن کر جانا تھا۔ میں نمائے لگی اور جب باہر آئی تو دیکھا۔ مہوے کا ہاتھ میں چینی تھی اور میرے قیمتی ویلیوٹ کے سوٹ کے ٹکڑے۔

بھابھی! اتنے سارے رول۔ سی سی سی۔ اتنے زیادہ رول۔ "وہ زور زور سے نالیاں پیٹنے لگی ساتھ ساتھ ٹکڑے ہوا میں اچھال رہی تھی۔ میرا دل جیسے نیچے نیچے ڈوبنے لگا۔

یہ سوٹ میری خالہ سعودیہ سے لائی تھیں۔ اس پر میں نے سب سے مہنگا کلم کر لیا تھا۔ سرووں کا تو ابھی اتنا ہی ہوا تھا اس لیے پہننے کا موقع بھی آج ہی آیا تھا اور مہوے اسے بڑے آرام سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں زہر کھا کر سو رہوں یا کہ پانی میں کود جاؤں کہ اس منحوس بالکل سے میری جان بچھوٹ جائے۔

"آخر اللہ نے اس منحوس کو پیدا کیا۔ کیا۔ آخر اس کو پیدا کر کے کا مقصد کیا ہے۔ وہ اسے اٹھا کیوں نہیں لیتا۔" روتے روتے مجھے شام سے رات ہو گئی۔ عفتان کی منتیں امی کی شرمندگی معافی کچھ بھی میرا موزن نہ ٹھیک کر سکی۔ میں منہ سر پائیے بستر میں بڑی رہی۔ گھر سے دوبارہ فون آیا بھائی جان اور بھابھی کا پھر

اسی کا۔ میں نے طبیعت کی خرابی کا سامنا کر دیا۔

"میں تمہیں کل ایسا ہی سوٹ دلاؤں گا پلین تم انھو تو کچھ اور پہن لو۔ سارے دنوں فکشن میں مت کرو۔ تمہارا اکلوتا بیٹھیا ہے۔ تمہارے بھائی بھابھی کیا سوچیں گے۔" عفتان نے مجھے یاد دلایا۔

"میں آگ لگا دوں گی۔ سوئوں کو اور خود کو بھی۔ اب مجھے کوئی مت جانے کا کہے۔" میں زور سے چیخی اور کچھ میں منہ چھپا کر گھٹ گھٹ کر رونے لگی۔

"ٹھیک ہے،" مہینی تمہاری مرضی۔ ایک بے جان چیز کے لیے زندہ لوگوں کی محبتوں کو انور کر رہی ہو تو کرو پھر نہیں تو نہ سہی۔" عفتان کدھے اچکا کر ہار چلے گئے مجھے روتا دھوتا چھوڑ کر۔ میں اور بلک بلک کر رونے لگی۔

اور ایسے نقصان تو آئے دن ہونے لگے۔ اب تو میں روتی بھی نہیں تھی۔ مہوے کو امی کی نظر پیا کر ایک آدھ ہاتھ بھاڑ دیا کرتی۔ اس پر خوب چٹائی برتن چٹتی عفتان سے جھگڑا کرتی۔ امی سے سیدھے منہ بات نہ کرتی۔ ان کے پیار و محبت کو چاہی ہی کر داتی۔

"اسی لیے تو یہ بھیا اس قدر مہینی بنی ہوئی تھیں۔ میرے ساتھ یہ جنم جو وہ کا رہی تھیں۔" میں دل میں خوب کھستی۔

دوبارہ روٹھ کر میکے جا چینی۔ وہاں امی کی نصیحتیں، بھلاؤ۔

"میرا اور تو کوئی دکھ نہیں تھیں وہاں۔ عفتان محبت کرتا ہے، ساس اچھی ہے، کھانا پینا اعلیٰ ہے۔ سر پر چھت ہے۔ اپنے گھر کا لالہ ہے۔ اب اگر وہاں چلے تو اس میں ان بے چاروں کا کیا قصور۔ اس بالکل کو انہوں نے تو اللہ سے دعا مانگ کر نہیں لیا تھا۔ خدا اس کو اپنی لہن میں رکھے۔ یہ ساتھ تو کسی کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ بننا، حوصلہ کرو، گلاب کے ساتھ کانٹے بھی ہوتے ہیں۔ تم اعتقاد کیا کرو اپنی چیزوں کے معاملے میں۔ اس کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ وہ اپنی بالکل نہیں۔ پیار کرو گی تو اتنا تنگ نہیں کرے گی۔"

"امی! مجھے پانچوں کا کچھ تجرہ نہیں نہ میں ایسی کوئی

کوشش کروں گی۔" میں جھٹ سے جواب دے دیتی۔ "پیار سے اس پائل کا دماغ اور آؤٹ ہو جاتا ہے۔ اور سے بھائی مل کچھ سننے کو تیار نہیں۔ ایک میں ہی فالتو ملی تھی آپ کو اٹھا کر کوس میں دھکا دے دیا۔ اندھی بھی میں یا کوئی لنگڑی تھی۔ آپ نے جو بغیر سوچے مجھے اس دن میں دھکیل دیا۔" میں بے اختیار اپنی بے بسی کا سوچ کر رونے لگی پھر عفتان کی منتیں، میری ساس کی معافیاں۔ بالآخر میں گھر واپس آجائی۔

مہوے دروازے میں ہی مجھ سے پلٹ جاتی۔ میرا دوش موز موز کر مٹھی میں پیٹنے جاتی۔

"بھائی! میری بھابھی آئی۔ سی سی سی۔ امی! میری بھابھی سی سی سی۔"

وہ چھٹا کھیل مارنے لگی اور میں جو بمشکل اپنا موز درست کر کے آئی پھر سے جانا شروع کر دیتی۔

"میری جان! آج کل تمہارے لیے یہ جتنا کڑھنا بالکل بھی اچھا نہیں۔ خوب خوش رہو۔ کھانا پیو۔ انجوائے کرو۔ میری محبت میں کوئی کمی نہ کھو تو فوراً" ٹیگہ کرو۔ بس جلد کر جو نہیں ورنہ ہمارا پیچہ کالا کھانا ہو گا۔ بالکل سیاہ اور مجھے کالے پیچے ڈراپینڈ تھیں۔" عفتان مجھے چھیڑتے۔

"اس گھر میں میرے لیے اور سی سی کیا سوائے چلنے کڑھنے کے۔" میں فوراً "جواب دیتی۔

"میری جان! تنگ دل کیوں ہوئی ہو مہوے کو اتنا سر پر کیوں سوار کرتی ہو۔ اس سے ذرا محبت سے فزنی سے چپس کو۔ یقین کرو وہ تم سے بہت پیار کرتی ہے۔ بہت معصوم دل ہے اس کا۔ ٹھوڑا سا۔"

"پلیز عفتان! مہوے۔ مہوے۔ مہوے۔ اب تو مجھے سوئے میں بھی یہی نام سنائی دینے لگا ہے۔ پلیز اسٹاپ اسٹ۔ کوئی کچھ تو مجھے سکون لینے دیں۔" میں پچھا اٹھی۔

"اوکے،" ریلیکس۔ "وہ ہاتھ اٹھا دیتے۔" چلو جہیں کیس ٹھملا نا ہوں۔"

وہ فوراً "آفر کرتے تو مجھے اس جنم سے نکلنے کا یہی درست نظر آتا۔ جھٹ سے تیار ہوئے چل دیتی۔

شروع شروع کے دن تھے۔ میری طبیعت خوب گری گری سی رہی۔ کسی کلم میں نہ نہ لنگ۔ بس دل چاہتا بستر پر ہی رہوں۔ بمشکل کو تنگ کرتی کلم کے لیے ملازمہ آئی جاتی تھی۔ آج کل امی نے کپڑے دھونے کے لیے بھی ملازمہ رکھ لی تھی۔

"سارہ! تم آج کل رست کرو۔ کو تنگ بھی میں خود کر لیا کروں گی۔" وہ مجھ سے خوب پیار جتا تھیں۔ میں بھی اب کو کوشش کرتی کہ مہوے کے بھوت کو اپنی سر پر سوار نہ کروں۔ مہوے ہند کر کے کچن میں کلم کے لیے جاتی، آرام کے لیے کمرے میں جاتے ہی الاکہ لگتی تھیں۔ کبھی کبھی بھی خوب تنگ کرنے پر آم آتی۔

میں دوسرے کو آرام کر رہی ہوتی وہ دروازے کے ساتھ کوئی نہ کوئی چیز ڈال کر لگاتے لگتی۔ کوئی ایڑی والی ہوتی لے آتی اسے زور زور سے دروازے سے مارے جاتی۔ کبھی فرش پر کچھ ٹھوکنے لگتی۔ جیسے بد تیز بچوں جیسی تکلف وہ عاتش تھیں اس کی۔ میری سوتے میں آنکھ کھل جاتی تو طبیعت بری طرح جڑا رہ جاتی۔ الاکہ کو کوشش کے باوجود جھٹنے کڑھنے سے خود کو ہانڈ نہ رکھ پاتی۔

"عفتان! میں کچھ دنوں کے لیے امی کے گھر چلی جاتی ہوں۔ ادھر میرا ذہن بالکل بھی ریلیکس نہیں ہو پارہا۔" آخر تنگ کر میں نے عفتان سے کہا۔

"سارہ! ابھی ایک ہفتہ پہلے تو تم پندرہ دن رہ کر آئی ہو امی نہیں مانیں گی۔ کچھ دن ٹھہر جاؤ پھر میں ان سے اجازت لے دوں گا۔" وہ پیار سے مجھے سمجھاتے۔ وہاں کے پندرہ دن مجھے ایک دن کے برابر لگتے تھے اور یہاں کا ایک ہفتہ ایک سال کے برابر۔

"ہاں! کچھ دنوں تک میں یقیناً پاگل ہو جاؤں گی۔ یہ مہوے کی۔" میں نے دانت کچا کچائے۔

"اوکے،" میں امی سے کہوں گا وہ دوسرے کو اسے ساتھ لے لیا کریں تاکہ تم صحیح طرح سے رست کر سکو۔"

"اسے تو رات کو فینڈ نہیں آتی۔ تو امی رات کو بھی کسی بد روح کی طرح ڈراؤنی کھین لے کر

پورے گھر میں گھوم رہی ہوتی ہے۔ وہ پر میں وہ کیا سوئے گی۔ "میں منہ میں بیڑی ہوتی۔"

"ہاں سو کو خیر بہت کم آتی ہے۔ یہی تو دماغی کمزوری کی علامت ہے۔" عقلمن نے فوراً "ہن کی حمایت کی۔

"ہاں اس کی دماغی کمزوری کا بدلہ آپ مجھ سے لے رہے ہیں۔ مجھے پاگل کر کے دم نہیں لیں گے۔" میں زور سے بولتے ہوئے گروتے کر لیٹ گئی۔

کچھ دنوں سے میری طبیعت کافی بہتر تھی۔ طبیعت کا چرچا این بھی خالص کام ہو گیا تھا۔ سو آج کل کیم صم کی رہتی تھی اور زیادہ تر ای کے کمرے میں تھیں رہتی۔ دن میں تین چار دفعہ نہاتی اور بار بار کپڑے بدلنے پرانی سے خوب ڈانٹ کھاتی۔ مجھ سے آج کل اس کا واسطہ کم ہی رہا تھا۔ پاگل تو پھر پاگل ہوتے ہیں۔ کب دورہ پڑ جائے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں اس روز چھلے پر ہنڈیا رکھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ کمرے میں کچھ کام کیا اور دوبارہ پکن میں لگی ہنڈیا دیکھنے۔

وہاں کا منظر عجیب تھا۔ مو لکڑی کے چچ کو جلنے چلے پر رکھے کڑی تھی۔ لکڑی کے چچ سے اب شعلے نکل رہے تھے۔ وہ مزے سے ان شعلوں کو دیکھ رہی تھی۔ فوراً ہی اس نے ہاتھ کھٹکھٹا کر اونچا کیا اور جلتے چچ کو کسی مشعل کی طرح ہاتھ میں پکڑ لیا اور پلٹ کر وہ جلتا چچ میرے قریب لے آئی۔

"بھائی! یہ دیکھو یہ موسم ہی ہے تا موسم ہی۔ بولو ہے۔ یہ ہی ہی ہی۔" وہ چچ میرے منہ کے قریب کرتی جاری تھی۔

"سو! پاگل ہو گئی ہو۔ چھوڑو اسے! آگ لگ جائے گی۔" میں نے چچ اس کے ہاتھ سے چھیننا چاہا۔ "میں تمہارے سر پر رکھ دوں گی۔ بھائی کا سر ملے گا۔" موسم ہی کی طرح چمکدار۔ ہی ہی ہی۔ "وہ چچ میرے سر کی طرف لے کر بڑھی۔

میں نے اسے زور سے پرے دھکا دیا۔ مو کی کچنوں جیسی چمکی آنکھوں میں بل بھر میں خون اتر

آیا۔ میرے دھکے سے وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہ تھی۔ اس نے جلتا چچ پیچھے کھٹکھٹا کر تنک میں پھینک دیا اور مجھے ایک زوردار دھکا دیا۔ میں کسی گیند کی طرح اچھلتی ہوئی دروازے سے جا نکل گئی۔

میری کمر میں دروازہ بری طرح سے لگا تھا اور پیٹ میں زوردار دھچکا۔ میرے منہ سے دل خراش جھپٹا نکلتے لگیں۔ مو نے مجھے زوردار لات رسید کی اور وہاں سے بھاگ گئی۔ میں کراہتی ہوئی فرش پر گر پڑی تھی۔

شاید قدرت کو آنے والے بچے کی زندگی منظور تھی جو اسی وقت میرے بڑے بیٹھ اسی سے ملنے آ گئے۔ میں نیم بے ہوش تھی۔ امی اور بڑے بیٹھ مجھے قریب کے کھینک میں لے گئے۔ فوری نشہ منٹ ملنے کی وجہ سے میری حالت سنبھل گئی۔ بڑے بیٹھ کی بتاتی ہوئی نظرس ای کو بہت کچھ کے جاری تھیں اور امی انہیں زمین میں کڑی جاری تھیں۔

"ابھی خدا خواست کچھ ہو جاتا تو کیا جواب دیتیں آپ اس کے گھر والوں کو۔ آخر آپ اسے کیوں پاگل خانے میں داخل نہیں کروا تیں۔ اپنے کیا فعل جڑے ہیں اس میں جو اسے سینے سے لگا کر تھیں ہیں۔ اس کی خاطر بیٹوں کو نکال باہر کیا اور یہ بھی تو کسی کی نشانی ہیں جو اس کے پاگل پن کا نشانہ بن رہی ہیں۔ امی! کچھ تو خدا کا خوف کریں۔" میں آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔ جب بڑے بیٹھ امی پر برس پڑے۔

"میں کیا کروں! مجھے تمہارے باپ کی آخری خواہش نے پابند کر رکھا ہے۔ جو مرضی ہو جائے سو کو کبھی پاگل خانے میں نہ بھیجنا۔ وہ پاگل نہیں ہے بس اس میں سمجھ کہ ہے پاگل ہوتی تو اسے اپنے پرانے کی پہچان کب ہوتی۔ ہم سب کو اب تک مار نہ چکی ہوتی۔"

"ابھی آپ کے خیال میں مارنے کی کوئی کسر باقی ہے۔" وہ طنز سے بولے۔ "دو جانوں سے بھلی ہے" اور اب بھی آپ کتنی ہیں! پاگل نہیں سمجھ تم کہ

اس میں اور پاگل بن کے کہتے ہیں۔"

"پاگل خانوں کی حالت دیکھ رہی ہے نا تم نے وہاں انسان کو انسان کب سمجھتے ہیں۔ جانوروں کی طرح رکھتے ہیں۔ میں جیتے ہی اپنی بیٹی پر یہ ظلم نہیں ہونے دلاں گی۔ پہلے ہی بچپن میں اس کی طرف سے غفلت پر تھے پر قدرت نے اپنی بڑی سزا دی ہے مجھے بھی اور اسے بھی۔ اس کی تو تمام زندگی داؤ پر لگ گئی اور میں اپنی نظموں میں علیحدہ مجرم تھیں۔ میں ابھی زندہ ہوں اور میرے جیتے ہی کوئی بھی اسے پاگل خانے داخل کروانے کا نہیں کہہ سکتا۔ ہاں جب میں مر جاؤں پھر جدھر مرضی اسے دھکا دے دیں۔" امی ہچکچوں کے ساتھ رونے لگیں۔

"جیسی آپ کی مرضی۔ کل کو اس نے کسی کی جان لے لی تو سوچ لیں! اس سے زیادہ آپ کو نہ رونا پڑ جائے۔" وہ کہہ کر اٹھ گئے۔ امی اسی طرح روتی رہیں اور میں آنکھیں بند کیے اپنے نصیبوں کو روٹی رہی۔ عقلمن بھی ٹھوڑی دیر میں آ گئے۔ "خوب ہر اسال سے گھر میں نے آنکھ کھول کر انہیں بھی نہ دیکھا۔ وہ تو کے ماں اور مو کے چچے تھے" اس شخص کے سامنے عقلمنیت کی تصویر بننے سے قانہ۔

"دوبار انہوں نے مجھے تو آزادی گھر میں نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ پتا نہیں کیوں اس وقت میرا اس گھر کے کسی فرد کو دیکھنے کا حق نہیں چاہ رہا تھا۔ رہ رہ کر خیال آتا اگر میرے بچے کو کچھ ہو جاتا تو اگر مجھے کچھ ہو جاتا تو؟ یہ ظالم لوگ تب بھی رحم نہ کھاتے پھر میں نے دل ہی دل میں ایک فیصلہ کر لیا۔

شام تک مجھے کھینک سے ڈیو جان کر دیا گیا۔ عقلمن نے مجھے سارا دن کر گاڑی میں بٹھایا۔

"مجھے میری امی کے گھر اندر دیں۔" انہوں نے گاڑی اشارت کی تو میں نے کہا۔ "کیوں؟" انہوں نے حیران نظروں سے مجھے دیکھا۔ امی بھی میری سیٹ کی طرف تھک آئیں۔ "کیوں بیٹا! ابھی تو تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔ ٹھیک ہو کر تو چلی جانا۔" وہ اسی بیٹھ میں بولیں۔

"مجھے ابھی اور اسی وقت جانا ہے" میں تو مجھے نہیں اتار دیں۔ میں خود ہی چلی جاؤں گی۔" میں دو ٹوک انداز میں بولی۔

"آج کی رات آرام کرلو! کل صبح میں خود چھوڑ دوں گا تمہیں۔" عقلمن نے نرمی سے کہا۔

"تو آپ مجھے ڈراپ نہیں کریں گے امی کے گھر۔" میں نے شدید غصے کے عالم میں انہیں دیکھا۔ "ٹھیک ہے بیٹا! جیسے تم کہو۔ عقلمن! گاڑی اور میری موٹر لو۔" میرے تیور دیکھ کر امی فوراً نرمی سے بولیں۔

جیسے ہی گاڑی امی کے گھر کے گیٹ کے آگے رکی تو میں منتہی ہوئی نیچے اتری اور کھلے گیٹ سے اندر چلی گئی۔ مرکز ان میں بیٹے کو اندر آنے کو بھی نہ کہا۔ اس وقت میں ان کی شکایں بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ امی سامنے ہی کھڑی کھلیں کو پانی دے رہی تھیں۔ مجھے پون آتے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ میں دوڑ کر گئی اور ان کے گلے سے پٹ کر پٹکوں پہ پٹکوں روٹنے لگی۔

"کیا ہوا سارہ! میری بیٹی! کیا ہوا۔" کچھ بتاؤ تو سہی۔ یوں اس طرح آتے ہی روٹنے لگی ہو۔" امی گہرا کر بولیں۔ میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس ان سے لپٹی روٹی رہی۔

پھر میں نے امی سے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میں اس ہسٹم میں دوبارہ نہیں جاؤں گی کیونکہ یہ جگہ اس کے بعد بھی اور میری رہوں گی جب تک یہ ماں کا چچہ مجھے علیحدہ گھر نہیں لے دیتا یا اس شخص کو اور سے دفعان نہیں کر دیتا۔ امی بھی سارا واقعہ سن کر زور کی گئیں کہ اس حالت میں اگر دوبارہ کوئی اور اٹھلائی کر کرے تو؟ اس لیے انہوں نے مجھے نہ جانے کیا کام از کم ڈیوری تنک۔ اس کے بعد کا انہوں نے واضح طور پر کچھ نہ کہا۔

بھائی جان نے بھی زور و شور سے میری حمایت کی اور مجھے اور بھیجے سے انکار کر دیا۔ بھائی البتہ کچھ

ہوتے ڈیوڑی تک تمہاری ضد تھی سو انہوں نے
 جان لی اور میں نے بھی مگر اس کے بعد کوئی تک نہیں
 بنی۔ تم فضول ضد نہ کرو تو اچھا ہے۔
 ”اگر یہ ضد ہے تو ضد سنی مگر میں نہیں جاؤں
 گی۔“ کہہ کر میں نے منہ پھیر لیا۔
 پھر جیسے ہی میں نے چلے نہلیا، عفتان اور میری ساس
 مجھے لینے آگئے۔ اسی نے ان کی دعوت کا پھر نور انتظام
 کر رکھا تھا۔ بھابھی تو خیر خوش ہی بہت تھیں۔ بار بار
 اگر میرے پتے ہوئے سوٹ کی تعریف کر رہی تھیں۔
 مازہ کو کات سے اٹھا کر بار کر رہی تھیں۔
 رات کا کھانا سب نے مل کر کھایا۔ میں اس
 سارے قصے کے دوران خاموش رہی۔ امی بار بار میرا
 چہرہ دیکھ رہی تھیں۔
 ”چلو بھی سارہ بیٹی! میری مازہ کو بھی تیار کرو۔ اتنے
 مہینوں سے میرا گھر بے رونق پڑا ہے۔ میری مائولی اوھر
 جانے کی تو ہمارے آئے گی۔“ وہ مازہ کو گود میں لے کر
 چومتے ہوئے بولیں۔ میں خاموش بیٹھی رہی۔
 ”انھو سارہ اوپر ہو رہی ہے۔“ عفتان نے آہستگی
 سے کہا۔ میں نے ان کی آنکھوں میں ملے ملے محبت کے
 سمندر سے نظریں چرائیں۔ امی میرے پاس آکر بیٹھ
 گئیں۔
 ”چلو انھے جاؤ اب۔“ وہ دھیرے سے بولیں۔
 ”امی! مجھے کہیں نہیں جانا اور اس گھر میں تو بالکل
 نہیں۔“ میری سرد آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ کمرے
 میں سب افراد نے غولی سن لی۔
 ”کیا مطلب؟“ امی مصنوعی حیرت سے بولیں۔
 ”مطلب صاف ہے۔ مجھے اس گھر میں نہیں
 جانا۔“
 ”کیوں؟“ عفتان نے تڑپتی سے کہا۔
 ”کیوں کاسب آپ جانتے ہیں۔“ میں بھی چبا کر
 بولی۔
 ”بیٹا! ایسے نہیں کہتے۔ وہ گھر تمہارا ہے تم ہی اس
 کی مالک ہو پھر جانے سے انکار دیکو۔“ میری ساس
 نے جیسے خوشامدی کی لہجے میں کہا۔

”میں اس گھر میں نہیں جاؤں گی۔ اس کی مالک
 آپ ہیں آپ کی بیٹی۔ وہاں میرے لیے صرف خوف
 اور دہشت ہے۔ مجھے اپنی اور اپنی بیٹی کی جان باری
 ہے۔ میں وہاں نہیں جاؤں گی۔ مجھے علیحدہ گھر کے کر
 دیں۔“ میں نے عفتان کو براہ راست دیکھ کر کہا۔
 ”علیحدہ؟ علیحدہ کس لیے بیٹا! مجھ سے۔ میں
 تو اور دو چار سالوں کی مہمان ہوں اور کون ہے جس سے
 تمہیں علیحدہ ہونا ہے۔ وہ وہ تو اپنی مالک میری بیٹی میرے
 بعد بے شک اسے۔“ میری ساس روتے روتے اٹھ
 کر باہر نکل گئیں۔
 ”سارہ! امی نے مجھے گھور کر ساس کے پیچھے جانے
 کا اشارہ کیا۔ میں ڈھچکتی بیٹھی رہی۔
 ”دیکھو سارہ! تم مجھے بہت عزیز ہو اور مازہ بھی مگر
 میری ماں سے بڑھ کر نہیں۔ تمہارا گھر علیحدہ ہی ہے وہ
 تمہارا ہی گھر ہے اور اگر تم اس کو اپنا نہ سمجھو تو الگ
 بات ہے۔ بہر حال میں نے سسرے سے تمہارے لیے
 کوئی گھر اونٹ نہیں کر سکتا۔ جس میں آنا ہو گا تو اسی گھر
 میں اسی ماحول میں۔ میری ماں اور بہن کے ساتھ۔ گھر
 کوئی سا بھی ہو، مہو ہمارے ساتھ ہی رہے گی۔ میرے
 چیتے جی تم اس کو کہیں اور بھیجے گا سوچنا بھی نہیں۔ آج
 اور نہ بھی۔ جب بھی تمہارا موٹہ بنے گا کہ آئے گا مجھے
 فون کرو۔ میں آکر لے جاؤں گا۔ خدا حافظ آئی!“
 عفتان نے اجنبیت اور بے گانگی کے تمام رنگا رنگ
 ڈالے اور کھٹ سے اٹھ کر باہر چل دیے اور چند لمحوں
 بعد ان کی گاڑی اشارت ہونے کی آواز سنائی دی۔
 ”یہ کیا محفل کی تم نے امتحان لڑی۔“ امی نے مجھے
 دیکھا۔
 ”امی! میں نے جو کیا ہے درست کیا ہے۔ میں نے
 آپ سے پہلے ہی کہہ رکھا تھا۔“ میں کہہ کر اٹھ کھڑی
 ہوئی اور مازہ کو لے کر سوئے چل دی۔
 پھر دن گزرتے چلے گئے ہم دونوں میں سے کوئی
 بھی اپنے موقف سے ہٹنے کو تیار نہیں تھا۔ عفتان پہلے
 کی طرح فون کرتے، میری اور مازہ کی خیریت دریافت
 کرتے۔ کبھی ہفتے چند دن بعد ملنے بھی آجاتے مگر

میرا مطالبہ ماننے سے صاف انکاری تھے۔ اب میں
 نے ان کے فون انٹینڈ کرنے بھی چھوڑ دیے۔ وہ گھر
 آتے میں سامنے نہ آتی مگر تا میں وہ شخص کس مٹی
 کا تھا۔ اس پر کچھ اثر ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔
 ”آخر کب تک یہ اوھر رہا رہا رہے گی۔ سال
 ہونے کو آیا۔“ تو اب زادی یوں ضد لگا کر بیٹھی ہے جیسے
 وہ اسے گھر لے ہی دے گا۔ وہ ایک خندی اور اپنی بات
 کا پکا شخص ہے۔ کبھی اس کی بات نہیں مانے گا تو یہ
 ہمارے سینوں پر منگ ورتی رہے گی اوھر پڑی۔“ میں
 رات کو مازہ کا قہقہہ ریتانے چن کی طرف جاری تھی
 جب میں نے بھابھی کی اونچی آواز سنی۔
 ”تو اب کیا کروں دھکے دے کر نکال دوں۔“ سمجھایا
 تو ہے اس قدر نہیں مانتی تو کیا کروں۔“ بھائی جان کی
 آواز آئی۔
 ”دھکے ہاں ڈھیسوں کو تو دھکے پڑنے چاہئیں۔
 آخر ہم بھی کوئی لینڈ لارڈ نہیں۔ اپنے گھر کے
 اخراجات کیا کم ہیں کہ یہ اضافی چھوٹ بھی محسوس
 ہو رہے اور صاف بات ہے آپ کی والدہ کی خدمت
 گھر پر واجب ہے۔ میں جی جان سے کرنے کو تیار ہوں
 مگر یہ باہر والوں کی اضافی خدمتیں مجھ سے نہیں
 تھیں۔ سال بھر سے بیگم صاحبہ کی خدمت کر رہی
 ہوں۔ دوسرے چوتھے روز میاں کو بھی بلا لیتی ہے۔
 ان کی دعوت کا اہتمام یوں کرواتی ہے جیسے اوھر
 لانے دھرے ہیں اور ماں بوائے نہیں کرتی۔ میں
 آپ سے صاف کہہ رہی ہوں۔ اگر یہ ہفتے چند دن
 تک نہیں جاتی تو پھر مجھے میری ماں کے گھر چھوڑ
 دیں۔ میں بھی کوئی لاوارث نہیں ہوں جو چپ چاپ
 بیٹھا گھر بیٹھ رہوں۔“ بھابھی نے آج ضبط اور
 بات کی ساری حدیں پھلانگی تھیں۔
 ”اچھا اس وقت تو سوجاؤ۔“ میں کل امی سے بات
 کروں گا۔“ بھائی جان نے کہا۔ ”میں خود اتنے افراد کا
 اٹھانے سے قاصر ہوں۔ مازہ کا دودھ اس قدر مڈکا
 ہا ہے اور ہفتے بعد تخت اوھر یا سوراور رید کے
 کھانے کی فیس بھی بڑھ گئی ہے۔ میں اکیلا کھانے والا

آخر کیا کیا کروں۔“ بھائی جان کے گلے بھابھی سے بھی
 بڑھ کر تھے۔
 ”امی! والدہ کو تائیں تا جو بیٹی کو کھنے سے لگا کر بیٹھی
 ہیں۔“ بھابھی چپکلیں۔
 ”اچھا! کروں گا بات سوجاؤ اب۔“ بھائی جان سخت
 آکٹاے ہوئے تھے۔
 میرا جی چاہا میں زمین شق ہو لوں اس میں غرق
 ہو جاؤں۔ میں اپنے ہی گھر میں اس درجہ پرانی ہو چکی
 تھی ایک بوجھ کی مانند کہ میری ماں میرا بھائی مجھے چھ
 آٹھ مہینے پاس رکھنے پر بے زار ہو چکے تھے۔ اگر ان کا
 بس چلنا تو وہ مجھے دھکے دے کر نکال یا ہر کر سکتے تھے۔ یہ
 ہے ان کی محبت۔
 میں ہسٹہیں کر کر روتے لگی۔
 ”بیگم! جو مرضی ہو جائے میں بھی اس یا گل خانے
 میں نہیں جاؤں گی۔ اب جبکہ امی عفتان کی ضد کے
 آگے تو ساری عمر بھگی رہوں گی۔ بھی سراسر اٹھا کر اپنی
 کوئی بات نہیں منوا سکوں گی۔ آخر بڑے بھیا اور
 چھوٹے بھیا بھی تو اپنی بیویوں کو لے کر علیحدہ ہوئے
 ہیں تا یہ زیادہ ماں کا فریادوار ہے۔ کل میں دو ٹوک
 بات کروں گی۔“ میں نے مل فیصلہ کیا۔
 اگلے دن مجھے شدت سے عفتان کے فون کا انتظار
 تھا مگر ان کا فون نہ آیا۔ آفس ٹائم ختم ہونے سے
 تھوڑی دیر پہلے میں نے ہار کر فون کر لیا۔
 ”آپ نے فون نہیں کیا آج؟“ میں نے چھوٹے
 بی پوچھا۔
 ”ہاں یاد نہیں رہا۔ ایک تو مصروفیت آج بہت تھی
 دوسرے کچھ طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ بس اب
 اٹھ کر کھری جا رہا تھا۔“ ان کا لہجہ سخت تھا کہ سا سنا
 اور آواز بھاری۔
 ”خیریت کیا ہوا؟“ میں نے یونٹی پوچھا۔ ”ورنہ میرا
 موڈ ان کی مزاح پر ہی کاٹھنا نہ تھا۔“
 ”سر میں بہت درد ہے گھٹا بھی دکھ رہا ہے۔“ میرے بچہ سا
 محسوس ہو رہا ہے۔ موسم بدل رہا ہے تا شاید اس
 لیے سہل ٹھیک ہے؟“

"جی ٹھیک ہے۔" پھر انہوں نے کچھ نہیں پوچھا۔
 "میرا نہیں پوچھیں گے؟" میں نے چند لمحوں بعد
 جتا کر پوچھا۔
 "تمہارا۔" وہ رکے۔ "تم ٹھیک ہو تو مجھ سے بات
 کر رہی ہو۔"
 "وہ تو آپ بھی کر رہے ہیں۔" میں نے فوراً کہا۔
 "بظاہر بات کرنے سے کیا سب کچھ ٹھیک ہوتا ہے۔"
 "معلوم نہیں۔" اسی وقت سر میں بہت درد ہے
 پیلیاں میں نہیں پوچھ سکتا۔ "وہ تیار ہو کر بولے۔
 "میں بھی پیلیاں بھجوانے کے موڈ میں نہیں
 ہوں۔ آپ نے کیا سوچا ہے؟" میں نے صاف کہا۔
 "کس بارے میں؟" وہ انجان بن کر بولے۔
 "میرے بارے میں۔ میں کب تک ادھر پڑی
 رہوں گی۔"
 "تمہاری اپنی چوائس ہے، تم کو تو میں ابھی
 واپسی پر تمہیں لینے آیا ہوں۔"
 "آپ کو معلوم ہے نام میں اس گھر میں نہیں جاؤں
 گی۔" میں نے زور سے کہا۔
 "چچو مت اور میرے پاس وہی ایک گھر ہے۔
 جس میں آتا ہے تو ادھر ہی آتا ہوگا۔ آج بھی اور کل
 بھی۔" وہی ہندو حرم انداز۔
 "مجھے یہ منظور نہیں۔" میں نے بھی دسے بغیر کہہ
 دیا۔
 "تو پھر جو منظور ہے، وہ بتا دو میں کر گزروں گا۔" وہ
 بحث سے بولے۔
 "آپ مجھ نہیں کر رہے۔" میں رو دینے کو تھی۔
 "وہ تو تم نہیں کر رہے۔" وہ ٹوک انداز۔
 "عفتان! آخر اس میں حرج کیا ہے؟" میں نے کچھ
 نرم پڑ کر کہا۔
 "کس میں؟"
 "علحدہ گھر لینے میں۔"
 "تمہارا گھر علیحدہ ہی ہے، صرف امی کا وجود ہے۔"
 پتا نہیں کیسا بے حس مو ہے یہ۔ "میں نفیج
 ہو گئی۔"

"صرف امی کا نہیں آپ کو معلوم ہے۔"
 "ہو تم چاہتی ہو سارہ، تو وہ تاقیامت نہیں ہو گا۔"
 اور جو دونوں بھائیوں نے کیا، ان پر کچھ الزام
 نہیں۔ "میں نے جتا کر کہا۔
 "ان کی اپنی سوچ، ان کا اپنا فعل۔ میں اپنے افعال
 کا خود ذمہ دار ہوں۔" وہ کسی پوائنٹ پر کمزور نہیں
 رہے تھے۔
 "تو آخر کب تک میں ادھر رہوں گی۔"
 "جب تک تمہارا مزاج ٹھکانے نہیں آ جاتا۔"
 "آپ کو مجھ سے ذرا محبت نہیں۔" بلا آخر میں نے
 عورت کا آخری ہتھیار آزمایا اور رونے لگی۔
 "محبت ہے تو تمہاری ضد بھلے جا رہا ہوں۔"
 "کیا ضد بھلا ہے؟" سارے میں باتیں ہو رہی
 ہیں کہ میں ادھر کیوں پڑی ہوں، رشتے داروں کے
 سوال، تمنا بن گئی ہوں۔ "میں نے سسکیوں کے
 درمیان کہا۔
 "سب کو بتا دو میں اپنی مرضی سے بیٹھی ہوں۔ خود
 تمنا بن رہی ہوں۔" وہ حضور بن سے بولے۔
 "تو آپ کچھ نہیں کریں گے؟"
 "ہو تم کو کی۔" دیکھو سارہ، علیحدہ گھر تو ناممکن ہے،
 آخری صورت فیصلے کی پختی ہے۔ اگر تم فیصلہ چاہو گی
 تو میں وہ بھی کروں گا۔ یہاں بہت مل سکتی ہیں تمہیں
 دوبارہ نہیں مل سکتی۔ تم اچھی طرح سوچ لو میں خود
 اس کشمکش سے تنگ آ چکا ہوں۔ کب تک میری ماں
 میرے لئے روٹیاں پکانی رہے گی اس پوچھائے میں۔
 جس میں شرم نہ آتی ہو مگر مجھے آتی ہے۔ تم نے جو فیصلہ
 کرنا ہے، اچھی طرح سوچ لو اور پھر مجھے بتا دو۔
 خدا حافظ۔"
 وہ تو آخری حد بھی چھوٹے کو تیار بیٹھے تھے میں
 ریسور پکڑے بیٹھی رہ گئی۔ معاملہ سمجھنے کے بجائے
 اور الجھ گیا تھا۔
 کچھ دن اور خاموشی سے گزر گئے۔ میں اندر رہی اندر
 جاتی کر جاتی رہتی۔ امی کے انداز بھی بہت بدل گیا
 تھے۔ بہت بیزاری میں وہ ظاہر ہے انہیں بھائی

کے تئیر دیکھ کر بہت کچھ بگڑتا نظر آ رہا تھا۔ بھائی جان
 بھی ان سے اب سیدھے من بات نہیں کرتے تھے اور
 یہ سب میری وجہ سے تو ہو رہا تھا۔ ان کی بی بی نانکی عزت
 خاک میں مل رہی تھی۔ بھائی کل ایک ماہ کے لیے
 اپنے سینے جا رہی تھیں۔ عفتان کا فون نہیں کیا تھا۔
 میرا دل بہت بے چین سا ہو رہا تھا۔ علیحدگی تو بہر حال
 میں نہیں چاہتی تھی۔
 اگلے روز ان کا فون آ گیا۔
 "تم نے جو سریوں کے پکڑے مجھ سے کہے تھے وہ
 تو میوٹن سوٹ کیس میں نہیں ہیں۔" رسی سام دعا
 کے بعد انہوں نے کہا۔ لوج بالکل نارمل تھا۔
 "میں نے آپ سے کہا تھا میوٹن میں نہیں براؤن
 میں ہوں گے۔" میں تو پھر انداز کے اوپر والے کیبنٹ
 میں۔ "میں نے بھی کچھ نہیں سنایا۔
 "جی! میں نے دیکھ لیا ہے ہیں چاروں سوٹ کیس
 کھول کر۔" میں نے جوں ادھر۔ ایسا ہے کہ میں تمہیں
 آفس سے واپسی پر پک کر لیتا ہوں، تم جا کر خود پکڑے
 نکال لو اور پھر میں تمہیں واپس ڈراپ کروں گا۔ آج تو
 دسے بھی موسم کافی سرد ہو رہا ہے۔ تمہیں ضرورت
 ہو گی کپڑوں کی۔ سردی بڑھتی جا رہی ہے۔ "بڑائی
 پر تشویش لوج تھا جسے سردی میں صرف گرم کپڑوں کی ہی
 ضرورت ہوتی ہے۔
 "ہاں ضرورت تو ہے۔" میں ڈھیلی پڑ کر کچھ سوچنے
 لگی۔ بھائی سامنے کمرے میں بیٹھی اپنا جازا ساز
 سوٹ کیس تیار کر رہی تھیں۔
 "ٹھیک ہے، آپ آج امی واپسی پر۔ میں خود جا کر
 نکال لوں گی۔" بلا آخر میں نے فیصلہ کر لیا۔ آخر
 کب تک یوں رائے گھر میں بیٹھی رہوں گی۔ ایک نہ
 ایک دن تو اپنے گھر جانا ہی پڑے گا۔ میں نے ریسور
 رکھتے ہوئے سوچا۔ ذہن ایک دم سے ہلکا بھلکا سا ہو گیا
 تھا۔ میں اٹھ کر جلدی جلدی اپنے اور ماہر کے کپڑے
 پک کرنے لگی۔ عفتان کی آفس سے واپسی میں ابھی
 چار گھنٹے باقی تھے۔ میں با آسانی اپنی بیکنگ کر سکتی تھی۔
 بھائی سے بھی پہلے۔

ای اچانک مجھے اور ماہر کو عفتان کے ساتھ آتے
 دیکھ کر حیران رہ گئیں۔
 "بسم اللہ! بسم اللہ! میری بی بی اپنے گھر آئی اور میری
 ماں آئی بھی۔"
 انہوں نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے ماہر کو عفتان کی گود
 سے لے لیا۔ اب وہ اس کی باا نہیں لے رہی تھیں۔ وہ
 بھی داوی کی گود میں آ کر خواہ مخواہ کلا ریاں مار رہی تھی
 میں چند منٹ داوی پوتی کے پاس بیٹھی پھر اٹھ کر اپنے
 کمرے میں آئی۔ سب کچھ وہاں تھا جیسا میں بھوڑ
 کر گئی تھی۔ صفائی کرنے والی آئی تھی۔
 "کل غسل کے میں خود صفائی کرواؤں گی، اسے
 بھی چھینچ کرنے والے ہیں اور سرووں کے پتے ٹھیک
 ہیں۔" میں نے کمرے کا تھنہ دیکھا جہاں لایا۔
 "مہو! اگر دیکھو تو چھوٹی سی لڑکیا ہمارے گھر آئی
 ہے۔ ادھر آؤ۔" امی کی خوشی میری جکار پر میرے کان
 کھڑے ہو گئے۔ میرے اندر کی چوس میں ایک دم
 سے الزم ہو گئی میں تیزی سے باہر نکلی آئی۔
 "امی یہ کاکلی ہے؟ یہ لڑکا ہے؟ میری لڑکیا مہو کی لڑکیا
 سے ناچھے دو امی۔" وہ امی کی گود سے ماہر کو بچھنے کی
 کوشش کر رہی تھی۔ ان کیارہ ماہ میں وہ مجھے ذرا بھی
 بدلی ہوئی نظر نہ آئی تھی۔ وہی رنگ روپ وہی بلہوں
 جیسی چمکی آکھیں، بھورے اور سرخ پوائے کٹ
 پال اور وہی آگ دکھائی دیتی تھی۔
 "امی! ماہر نے دو دو پتا ہے اور اسے میں چھینچ بھی
 کر اؤں۔" میں نے آگے بڑھ کر امی کی گود سے ماہر کو
 لے لیا تو امی نے اثبات میں سر ہلا کر ماہر کو میری گود میں
 دے دیا۔
 "بھائی! بھائی۔" امی۔ یہ میری لڑکا ہے، مہو
 کی لڑکیا امی نے کہا ہے اسے مجھے دو۔" وہ ماہر کو مجھ سے
 لینے کے لیے آگے بڑھی۔
 "مہو! نہیں بی بی تم سے گر جائے گی۔ پھر اسے
 چوٹ لگ جائے گی یہ روکے گی ابھی نہیں دسب یہ بڑی
 ہو گئی۔"

ہو جائے گی پھر تم سے کھیلے گی "اسی نے مہو کو اپنی گود میں جیسے بھر کر کہا۔

"چوٹ لگے میری مائے کو کیوں چوٹ لگے" خدا خواست میری مائے کو کیوں چوٹ لگے گی۔ میں بیڑہ کرتی اپنے کمرے میں آئی۔

اور صرف مہو کا تم تھا اور مجھے کچھ مسئلہ نہیں تھا کوئی مجھے یا میری بیٹی کو نظر بھر کر دیکھنے والا نہیں تھا نہ اس کے دودھ کو نوکنے والا نہ میرے اٹھنے بیٹھنے پر ٹھنڈی آہیں بھرنے والا۔ بھائی کی طرح کھانا جانے والی نظروں سے دیکھنے والا۔

میں نے اپنے کمرے میں آکر کمرے سکون کا سانس لیا۔

مہو کے اندر ایک اچھی آہٹ چھپی ہوئی تھی چند دنوں میں ہی مجھ پر انکشاف ہوا اسی کہیں مٹی ہوئی تھیں۔ میں کلام سے فارغ ہو کر نہالے چلی گئی۔ مائے سودی تھی میرے نہالنے کے دوران ہی وہ اٹھ گئی اور گلا پھاڑ پھاڑ کر رونے لگی۔ میرا منہ اٹھا دھواں ہو گیا۔ پھر اچانک اس کی گواہ آنا بند ہو گئی میں اور ڈوٹی کیس بند سے نہ کر گئی ہو یا مجھ اور۔۔۔ میں جلدی جلدی باہر آئی تو کیا دیکھتی ہوں مہو اس کو کندھے سے لگائے کھل رہی ہے۔ "اللہ ہو اللہ ہو۔" کا اور ساتھ کرتی جا رہی ہے۔

اور مائے بھی بڑے مزے سے اس کے ساتھ چٹکی ہوئی۔ مہو نے مائے کی کھجی بھی پیچ کر دی تھی۔ مجھے بہت حیرت ہوئی۔

پھر میرا بھی معمول بن گیا میں کلام میں مصروف ہوتی تو مائے کے رونے پر اسے بے حد مہو کو پکڑا دیتی مگر کھتی نظروں کے سامنے ہی۔ وہ بڑے شوق سے بیٹی کو سنبھالتی تھی۔

"سارہ بیٹا! مہو سے برتن بھی دھو لیا کرو۔ بڑے اچھے دھوتی ہے۔" ایک دن ای نے مجھ سے کہا۔ میں نے اٹھ کر دن ہی سے مہو کو برتنوں پر لگادیا۔ مگر وہ بھی ایک خزانہ تھی جس دن مہو اچھا ہوتا برتن اچھے صاف دھوتی اور جس دن مہو خراب ہوتا کاندھ کھول دیتی۔

وقت پڑی سبک رفتاری سے گزرنے لگا۔ ساڑھے پڑھ سال کی تھی جب سلیمان میری گود میں آنے والا تھا۔ آج کل پھر مہو کو دوسرے پڑنے لگے تھے۔ چیزوں کا نقصان کرنا پڑا اور اس کا بگڑا مزاج بھی اور اب تو وہ کبھی بکھار مائے کو بھی ایک آدھ ہاتھ جڑ دیتی تھی۔ اس کی کوئی بھی حرکت مستقل نہیں تھی۔ اور اس کے لئے اس قدر زور دار ہوتے تھے جو دوسرے پڑنے پر وہ کبھی بکھار مجھے بھی جڑ دیتی تھی تو میری چیخیں نکل جاتی تھیں۔ تین چار بار وہ مجھے آہنی جھول سے نواز چکی تھی اور میری پیچ و پکار اور لڑائی جھگڑا پر عقان اور ای سسلے روز سے لے کر اب تک کھل مٹھائی ہی مانتے تھے۔

مہو کی بد چلی کا کبھی ارادہ نہیں فرماتے تھے۔ اور اس بار تو میں خود بھی بہت محتاط تھی مہو کو مشتعل دیکھتی تو خود ہی کھسک جاتی۔

اس بار اللہ نے مجھے پنا عطا کیا تھا، میرے دل کی ساری آرزوئیں جیسے پوری ہو گئی تھیں کئی دعا میں مانگی تھیں میں نے اپنے کے لیے اللہ نے میری بہن کی تھی۔ عقان اور ای بھی بہت خوش تھے ہماری کبھی مکمل ہو گئی تھی۔ سلیمان ابھی دو سال کا بھی نہیں ہوا تھا کہ سفیان میری گود میں آگیا۔

میری زندگی مصروف سے مصروف تر ہوتی چلی گئی۔ مائے کا سکون لگ شروع ہو چکی تھی اور مہو کی عقل کا خدا جانے یہ کون سا رنگ تھا کہ وہ چھوٹے بچوں کو کچھ نہیں سمجھتی تھی کیس انہیں دھول دھپا یا پکلی نہیں کاتی تھی مگر جیسے ہی بچہ بڑا ہوتا وہ اس کو موذیلانہ پینے سے بھی دریغ نہ کرتی۔

آج کل مائے اس کا اچھا خاصا شکار بنتی تھی وہ روتی چیختی واوی کے پاس جاتی تو پتی کی تکلیف واوی سے نہیں دیکھی جاتی تھی مہو کو مقدور بھر کو سستی بھی نہیں اور دو چار ہاتھ لگا دیتیں۔

اسی سال ای نے مجھ پر جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔

"سارہ یہ اس گھر کی تمام چابیاں اور خرچ اب سب کچھ تمہارا ہے۔ تمہیں ہی چاہنا ہے میرے بعد میرا مطلب ہے کہ میرے جانے کے بعد ہو سکے تو مہو کا

خیال رکھنا" یہ تاکجھ ہے۔ مگر اب تو کافی بہتر ہو گئی ہے پھر بھی میری درخواست ہے تم سے۔" انہوں نے میرے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔ "اس کا خیال رکھنا اسے کبھی کسی پاگل خانے بھیجے گا نہ سوچنا" یہ میری تم سے التجا ہے ایک ماں کی۔ میں نے اپنے مرتے ہوئے شوہر سے وعدہ کیا تھا۔ امید ہے تم میرے وعدے کا مان رکھو گی۔"

جانتے وقت انہوں نے مجھے اس طرح ٹپک میل کیا کہ میں نے دل و جان سے وعدہ کر لیا کہ میں مہو کا ہر طرح سے خیال رکھوں گی اور کبھی اس کو گھر سے نکلنے کا سوچوں گی بھی نہیں۔ اسی مطمئن ہو کر مجھ پر چلی گئیں۔

مجھ سے آنے کے بعد وہ بمشکل تین ماہ زندہ رہیں اور ایک رات چپکے سے کچھ بھی کہے بغیر سوتے میں ہی چلی گئیں شاید انہوں نے جو کچھ مجھ سے کہا تھا "مجھ پر جانے سے پہلے کہہ دیا تھا اور میں نہ چاہتا ہوں کہ میرے اپنے وعدے پر قائم رہنے پر مجبور رہی" اس پاگل کو برداشت کرنے پر۔

ایک دن میں دوپہر میں سو رہی تھی بچے ہوسورک کرنے کے بعد چھینے لگ گئے کہ اچانک پیچ و پکار سے میری آنکھ کھل گئی شور باہر سے آ رہا تھا میں بھائی بھائی باہر آئی۔ سلیمان بیڑیوں کے پاس گرا تھا اور اس کا سر خون میں لٹ پٹ تھا اور اوپر زینے کے پاس مہو کھڑی تھوڑی نظروں سے سلیمان کو گھور رہی تھی۔ "ہائے میں مر گئی۔" سلیمان کو اس حال میں دیکھ کر میں کبیدہ تمام کر رہ گئی۔

"مہو! تیرا استیاس! تیرا بڑا فرق! تو کیوں میری زندگی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑتی ہے۔ موت بھی نہیں آتی مجھے اتنی دنیا مٹی ہے تو کیوں نہیں مرجاتی۔ پتا نہیں اللہ نے یہ عذاب پیدا کس لیے کیا تھا کیا فائدہ ہے تیری جیسی کا منحوس ماں مر گئی یہ عذاب میرے لیے چھوڑ گئی۔ میرا بچہ میرا اعلیٰ۔" میں

نے کھجک کر خون میں لٹ پٹ سلیمان کو اٹھا کر اپنی گود میں بھر لیا۔

"بھائی! اس نے مارا مجھے۔ یہ اینٹ ماری" ہی ہی ہی۔ کوئی بات نہیں میں نے دھکا دیا میں اور ماروں کی اسے اس نے اینٹ ماری مجھے زور کا درد ہے۔ بھائی سر میں ہی ہی ہی کوئی بات نہیں۔" وہ زور زور سے چلانے لگی۔ ساتھ ساتھ بھی بھاری تھی۔

میں سلیمان کو قریبی ٹیکہ میں لے گئی۔ اور ڈریسنگ کرا کے لے آئی۔ مائے اور سفیان سمے ہوئے بیٹھے تھے۔ مہو غائب تھی۔ شام کو عقان گھر آئے تو سلیمان کے سر کو ٹپوں میں جکڑا دیکھ کر جیسے پاگل ہی ہو گئے۔

"یہ کیا ہوا اسے کس نے مارا؟" وہ ششدر تھے۔

"کس نے مارا ہے" ایک ہی تو ہے بلا بدروح" منحوس میری زندگی کی ویسٹ ایک دن میرے بچوں کی جان لے لی تو آپ کو سکون آئے گا۔ مہو مرنا ہوئی نے ایسا دھکا دیا ہے میرے لعل کو تکلیف سے تڑپ رہا ہے۔ اوپر سے جو خون برادہ پلیدہ۔" میں رونے لگی۔ عقان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ میں نے عقان کو کبھی اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔ یا شاید اپنی اولاد کو لگی ذرا سی چوٹ اسی طرح جل پر جا لگتی ہے۔ "وہ ایک دم سے پلنے اور کمرے سے نکل گئے۔ میں فوراً اٹھی اور ان کے پیچھے گئی۔

انہوں نے گھلوں کے پاس رکھی لکڑی کی اسٹک اٹھائی اور کمرے میں جا کر مہو کو بے دردی سے پینا شروع کر دیا۔

"دن بہ دن تم پھیلتی جا رہی ہو۔ جتنا میں نے تمہاری حرکتوں کو نظر انداز کیا ہے اتنا تم سر پر چڑھی جا رہی ہو۔ کیا اس معصوم کی جان لینی تھی۔" کرنا ہوں میں تیرا انتظام" کسی پاگل خانے میں۔" انہوں نے کھما کھما کر تین چھڑیاں مہو کی کمر پر ماریں "مہو کی دلخواس تو جنوں نے میرا کبھی یاد دیا۔

"کیا کرتے ہیں پاگل ہو گئے ہیں۔ وہ تو بے وقوف

ہے، پائل پائل۔ آپ کیوں بولنے ہو رہے ہیں۔ میں نے مشکل انہیں بھیج کر چھوڑ دیے۔ موڈین پر لیٹ کر بچوں کی طرح اڑیاں دگر دگر کر رہی تھی۔ ”دروہے بہت درد ہے۔ اینٹ ماری۔ ماں نے اینٹ ماری بھائی نے مارا“ اسی درد ہے ہی۔ کوئی بات نہیں سب مارتے ہیں دروہے اسی درد ہے ہائے ہائے۔

اس کے دل دھڑکنے والے واویلے نے میرے جسم سے جیسے جان ہی نکال دی تھی۔ سلیمان تو اپنی تکلیف بیان کر سکتا تھا۔ اس کے درد کو بانٹنے والے بہت تھے۔ اور یہ بے زبان مجھ انکار سے بھی قاصر معلوم نہیں دوپہر سے اسے کدھر درد تھا۔ دوپہر سے کدھر رہی تھی دروہے بہت درد ہے۔ ”میری آنکھیں بھر آئیں اس کا زہن یاد کر۔

”تم پیچھے ہٹ جاؤ میں آج اس کو مار ڈالوں گا۔ اس نامراد نے میری زندگی اجیرن کر دی ہے۔ صرف میں ہی کیوں اس منحوس کی خاطر اپنی خوشیاں برباد کروں۔ باقی کسی کو تو کچھ خیال نہیں۔“ عفتان جیسے ہاتھ رہے تھے۔

”اب کیا قایمہ ان باتوں کا۔ پہلے وقت تھا۔ اب یہ آپ ہی کی ذمہ داری ہے۔ یوں اپنی نیکی کو ضائع مت کریں۔“ چنانچہ مجھے کیا ہوا تھا میرا دل زمین پر چلتی ہوئے کے لیے بے اختیار رو رہا تھا۔

”چلیں آپ سلیمان کے پاس۔“ میں نے زبردستی عفتان کو باہر نکالا۔

”مہو! کدھر دروہے؟“ میں اس کے پاس زمین پر بیٹھ گئی۔

”دروہے بہت درد ہے۔ بھائی نے مارا۔ زور زور سے کوئی بات نہیں مہو کو سب مارتے ہیں۔ دروہے کوئی بات نہیں اسی نہیں۔ کوئی بات نہیں۔ اول۔“

دو دنوں ہاتھوں میں سر تھا۔ آنکھیں بند کیے زار زار رو رہی تھی۔ پتا نہیں وہ کبھی بھی روئی تھی یا نہیں نے آج ہی اس کے آنسو دیکھے تھے۔ بھل بھل سرخ

آنکھوں سے نکلنے شفاف آنسو۔

”مہو! چلو اٹھو اور لیٹ جاؤ۔ مجھے بتاؤ کمال درد ہے۔“ میں نے اسے اٹھاتا چلا مہو ہلکی نہیں۔ ”دروہے بہت درد ہے۔“ وہ ایک ہی کردار کیے سر کو اب گھٹنوں میں گھسائے بچوں کی طرح روئے جاری تھی۔ میں چند لمحوں سے دیکھتی رہی اور پھر خاموشی سے اٹھ کر باہر آئی۔

وقت کیسے گزرے اور کیسے بھاگتا چلا گیا مجھے خبر ہوئی تو اس روز جب انہیں سالہ مارنے کے لیے پلا پر پوزل کیا اور پر پوزل بھی ایسا شاندار کہ ہم دونوں میاں بیوی نے ایک کمرے کو بھی نہیں سوچا۔ اور ہاں کر دی یہ سوچے تھے بغیر کہ مارنے نے اسی تو محراب میں ایڈیشن لیا ہے۔ عامر نے ہی اسے کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے والد کی دو فیٹیاں تھیں۔ ڈینٹس میں چار کنال کا کل نما گھر تھا۔ اور عامران کا اکلوتا بیٹا۔ عامر اور اس کی والدہ نے مارنے کو اس کی دوست کے گھر کسی فلیکسٹن میں دیکھا تھا اور بس وہیں اس پر فریفت ہو گئے۔

”بس سارہ بہن مجھے اسی ہی لڑکی کی تلاش تھی۔ معصوم بھولی بھلی اور سب سے بڑھ کر تو میرے عامر کو بھاجائے۔ اس کے ساتھ چلتے ہوئے سچے آپ نہ نہیں کریں گی۔“ ان کا اصرار اس قدر شدید تھا کہ وہ ہمیں سوچنے کا موقع بھی نہیں دے رہی تھیں۔ عفتان نے ایک ہفتہ ساری چھان بین میں لگایا۔ اور ہاں کر دی۔ اگلے بیٹھے ہی عامر کے گھر والے منگنی کی تاریخ طے کرنے آئے وہ بھی صرف ایک ہفتے بعد۔ میرے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ مگر اللہ کا شکر ہے مالی طور پر ہم اس قدر محکم تھے کہ اس طرح کے کرنے والے کسی بھی اچانک ”خرچ“ سے با آسانی ٹیٹ سکتے تھے۔

پتا نہیں یہ عفتان کی کوئی نیکی تھی میری خوش بختی یا کوئی اور وجہ اس وقت ہم اپنے خاندان میں معاشی طور پر سب سے بہتر حالت میں تھے۔ عفتان اپنے ہی

گھر میں ایم ڈی ہو چکے تھے۔ گھر کے ساتھ والا پلاٹ بھی ہم نے خرید لیا تھا۔ بلکہ اسے گھر کے ساتھ لان کے طور پر استعمال بھی کر رہے تھے۔ سلیمان میڈیکل کے پہلے سال میں تھا اور سفیان ایف ایس سی کر رہا تھا اور کوئی بڑی پریشانی بھی نہیں تھی۔ اس کے برعکس عفتان کے دونوں بھائی ابھی تک سیٹ نہیں ہو سکے تھے۔ ان کے سچے بھی تعلیمی میدان میں کوئی نمایاں مقام حاصل نہیں کر سکے تھے۔ سب ہمیں رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے اس پر مستزاد وہ کارشتہ بھی اتنے ٹاپ کلاس گھرانے میں۔

انہوں نے منگنی بہت دھوم دھام سے کی۔ ایسی منگنی نہ تو ہمارے خاندان میں پہلے کبھی ہوئی تھی اور نہ ہونے کی توقع تھی۔

میں تو بل پل اپنی بیٹی کی خوشیوں کے داعی ہونے کی دعا کر رہی تھی ماسد دل کے حسد سے بچنے کی دعا۔

”عفتان بھائی ہمیں کاشادی دلاؤ بعد چاہے عامر نے بزنس نوپر جرمی اور آسٹریلیا جانا ہے۔ اس کی خواہش ہے کہ مارے بھی اس کے ساتھ جائے۔“ عامر کے والد نے بہت عاجزی سے درخواست کی۔ اور ہمیں جینز وغیرہ کچھ نہیں چاہیے۔ سب کچھ اللہ کا دیا ہے ہمارے پاس۔ ”گور ہم نے بھی ان کے حسب خواہش دلا دیا میں اپنی بسلا سے بڑھ کر شادی کی۔ شادی کے چند دن بعد مارے عامر کے ساتھ ورلڈ ٹور پر نکل گئی۔ ہر دوسرے دن اس کا فون آتا تو میرا سیریل خون بڑھ جاتا۔ جو سو سے دل میں تھے سو وہ بھی نکل گئے۔

ڈیڑھ ماہ بعد دونوں واپس آئے تھے۔ دونوں کی صحت قابل رشک پوری تھی۔ سارے کے حسین چہرے پر تو نظر نہیں مٹتی تھی۔

”بس اب اللہ تعالیٰ جلد سے جلد میرے عامر کو ایک نیا عامر عطا کرے میں مجھوں کی دنیا میں سب کچھ پایا۔“ عامر کی اہلیان دونوں کے ساتھ آئی تھیں کہنے لگیں تو میں نے دل میں آمین کہا۔

اور جیسے اسی ایک دعا سے تقدیر کو خد ہی ہو گئی مارے کی شادی کو ایک سو دو اکتھ پانچ سال گزر گئے مگر اس کی

گود چری نہ ہوئی دونوں بھلے طور پر صحت یاب تھے۔ اور علان میں بھی کوئی کسر نہ رہی کی تھی باہر کے ملکوں میں دونوں چمک اپ کے لیے جاتے رہتے تھے۔ اس کے علاوہ دم دروہے ہو رہا تھا مگر اس کے باوجود نہ جانے اللہ کی اس دیر میں کیا مصلحت تھی۔

”می! آنٹی کاموڈ بہت خراب رہنے لگا ہے۔ وہ عامر کو پریشان کر رہی ہیں دو سری شادی کے لیے ابی! میں کیا کروں۔“ اس بار مارے اکی تو میری گود میں سر رکھ کر ہلک ہلک کر رہی۔

”میری بچی یہ کسی کے بس کی بات تھوڑی ہے نہ تیرے نہ میرے۔ بس اللہ سے دن رات دعا ہے وہ ضرور سنے گا۔ تم جو صلہ کرو عامر کیا کرتا ہے۔“

خواتین ڈائجسٹ کا

نیانا دل

آرزو نکھر آئی

(آسیہ سلیم قریشی)

قیمت = 400 روپے

بذریعہ رجسٹری منگوانے کے لیے

= 430 روپے روانہ کریں۔

ملنے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37 اردو بازار کراچی

"میلے تو کچھ نہیں کہتے تھے۔ مگر اب وہ بھی ہر وقت گھر کے سانوں کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ ای! مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔" مائزہ کا اتنا سامنے نکل آیا تھا۔

اس رات میں تھک کے لیے ابھی رو رو کر اپنی بچی کے پاس روہو نے لی اللہ سے دعا کی اور پھر میرا معمول بن گیا، مائزہ کو گھر سے اس کے آگے آؤد زاریاں کرتے ہوئے گورا اس دن اس نے سن بھی لی۔

"ای! میری رپورٹ پازو آئی ہے۔" خوشی سے مائزہ کی آواز کانپ رہی تھی۔

میں اسی وقت سجدے میں گر گئی، خداوند تعالیٰ کا لاکھ بار شکر ادا کیا۔

مائزہ کا کیس بھی غصا پیچیدہ تھا، پورے نو ماہ گویا سب کی جان اٹھی رہی، میرا آپریشن ہوا تھا۔

"آئندہ یہ مال نہیں بن سکیں گی۔" پھوٹا عامر ڈاکٹر نے عامر کی والدہ کی گود میں دیتے ہوئے انہیں خیردار کیا۔

"اللہ نے ہمیں جو یہ نعمت دے دی ہے ڈاکٹر صاحب ہمارے لیے یہی کافی ہے، ہم اسی کا شکر ادا کرتے نہیں تھکیں گے۔" وہ ہنس کر بولیں۔ "یہ زندگی والا ہو، ہمیں اور کچھ نہیں چاہیے۔" میں نے بھی دل میں سو بار آمین کی۔

"بس ابھی مائزہ اب تم جلدی سے صحت یاب ہو کر بھائی کی شادی کی تیاری کرو۔ سفیان کی منگنی کریں گے اور سلیمان کی شادی۔ اس گل گوشتے کے انتظار میں سب کام روک رکھے تھے میں نے۔" میں نے مائزہ کی پیشانی چوم کر کہا۔

"کیل نہیں ای! مجھے خود ان کی شادی کے دن کا شدت سے انتظار ہے۔" مائزہ بہت خوش تھی۔

سلیمان نے تو اپنی پسند سے اپنی کسی گلاس فیلو ڈاکٹر صاحبہ کے لیے ہائی بھری تھی۔ سفیان کے لیے عرفان نے زیب آئی کی چھوٹی بیٹی کو چنا تھا۔

"بھئی! شادی میں تو کوئی رکاوٹ نہیں، ہم کرا دیں بس اوپر والا پورشن سارا کرا کر دو بارہ بٹاتا پڑے گا۔"

جدید طرز کا۔ اس میں دو سے تین ماہ لگ جائیں گے۔" عرفان نے مجھے یاد دلایا۔

"ہاں یہ تو بہت ضروری ہے۔" میں نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔

اس کے بعد ایک دو ماہ پارشل کامو سم تھا۔ اس لیے کنسرپشن کا کام ملتی ہو گیا۔ اور ہمارا جو خیال تھا اس کام میں ایک دو ماہ لگیں گے۔ وہ بالکل غلط ثابت ہوا اور بالکل نیچے جیسا مکمل پورشن بنا تھا۔ ایک مکمل گھر اور اس میں پورے پانچ ماہ لگ گئے۔

"افو ای! اب کچھ لٹ بھی کروا میں سب کچھ جلدی جلدی پھر دو ماہ بعد سرخیل کی برتھ ڈے ہے۔ اچھا خاصا کرینڈ فنکشن ہو گا اور اس کی تیاری بھی سرخیل کے دادا دادی نے ایک ماہ پہلے شروع کر دی ہے۔ پھر مجھ سے جگہ مت بچے گا۔" مائزہ نے اوپر سے پورشن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں بس تھوڑا سا کام ہے۔ میں سوچ رہی تھی اگلے بچتے ہم دعوت کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد شادی کی تاریخ مقرر ہو جائے کیا خیال ہے؟"

"بالکل ٹیک خیال ہے۔ اس میں سوچنے والی کوئی بات نہیں۔" مائزہ فوراً بولی۔ "پورشن کی تعمیر کی شی بھی ہو جائے گی اور شادی کے کاموں کی ترتیب بھی۔ ای اور کام رہ کتنا گیا ہے؟"

"بس تھوڑا سا، کروا کی فنکشن ہوئی ہے۔ پینٹ بھی شروع ہے۔ اور سب سے بڑھ کر زینہ تعمیر ہونے والا ہے۔ وہ بھی تمہارے پلاؤ ڈھکا لگوا میں گے۔ ابھی اوپر جانے کے لیے عارضی زینہ لگا رکھا ہے۔ وہ بھی کل پرسوں تکس بنا دیں گے۔"

"پہلے والی سیڑھیاں تو ختم کر دی ہیں۔" وہ بولی۔

"ہاں ساری لوٹ گئی تھیں درمیان میں دو تین کے تو صرف سرے رہ گئے تھے۔ کل پرسوں اسے مکمل طور پر بنادیں گے۔"

"چلیں اچھی بات ہے، جتنی جلدی ہو سکے سب کام مکمل ہو جائیں، میں ذرا سرخیل کو دیوٹیوں، ماسوں کے ساتھ مکمل رکھنا ڈاکٹر سلیمان کو گھوڑا بنانا ہو ا تھا۔"

اس نے۔ "وہ کہتے ہوئے چلی گئی تو میں بھی بچن میں آئی۔"



قرن پاک فتح ہو چکا تھا۔ میری خالہ زاد عینہ کی آواز بہت اچھی تھی۔ وہ اب عینیں پڑھ رہی تھی۔ سب خوب جذب کے عالم میں سر جھٹکائے سن رہے تھے کہ اچانک میں دور سے سرخیل کے بے تحاشا رونے کی آواز آئی میں نے چونک کر مائزہ کو دیکھا، ابھی تھوڑی دیر پہلے تو وہ مائزہ کے پاس بیٹھا تھا۔ اس بچے کو پاؤں پاؤں کیا چٹنا تیا لیتا ہی نہیں۔

"ای! سرخیل مکمل ہے۔" وہ پریشانی سے ابھی میں بھی اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔ سرخیل کے رونے کی آواز مسلسل آ رہی تھی ہم دونوں نے اوپر اوپر کمروں میں دیکھا وہ میں نہیں تھا۔

"ای! آواز اوپر سے آ رہی ہے۔" مائزہ خوفزدہ آواز میں بولی۔

میں بھی بولنے لگی۔ "کٹ پاؤں میں زور زور سے برش چلا رہی تھی۔"

ہم دونوں سیڑھیوں کی طرف بھاگے اور جو نگاہ کی تو ہمارے کچھ دھک سے رو گئے۔ اوپر جو کمرہ اسٹور روم کے طور پر استعمال کر رہے تھے وہیں آج کل پینٹ دھیرہ کاسلمان پڑا تھا آگ کے شعلے اوپر سے نکل رہے تھے۔ سیڑھیاں لوٹی ہوئی تھیں۔ تین اسٹیپ تو تھے ہی نہیں، نوپے کے سرے پر نکلے ہوئے تھے۔ عارضی زینہ صبح اٹھایا جا چکا تھا اب ابھی شام تکس بن کر آ رہا تھا۔ اور سرخیل کی گواڑ اسی اسٹور سے آ رہی تھی۔ حیرت کی بات تو یہ تھی کہ وہ اوپر گیا کیسے اور پھر لوٹی ہوئی سیڑھیاں پھلا تھکا ہست عجیب بات تھی۔

اتنے میں اندر سے دوسری خواتین بھی اٹھ کر آئیں۔ صورت حال جان کر ان کے بھی رنگ اڑ گئے۔ مائزہ سیڑھیوں کی طرف لپک رہی تھی۔

"مائزہ! میری جان! ایسے جاؤ گی۔ اوپر سیڑھیاں"

بالکل لوٹی ہوئی ہیں۔" عینہ نے کہا۔ "میں نے کمرہ جاؤ گی۔" میں نے ہلکا سا دھبہ لکڑی تھی۔

"ای! میرا سرخیل۔ مجھے جانے دیں۔" وہ اپنا آپ بھڑاتے ہوئے زور زور سے چلا رہی تھی۔

"ہائے کوئی کسی کو بلا کر لائے۔ ہم لٹ جا میں گے برباد ہو جائیں گے۔" میں نے اپنا سر پٹ لیا۔ بچے کی تکلیف وہ چھین برداشت نہیں ہو رہی تھیں اور میں مائزہ کو بھی کھونا نہیں چاہتی تھی۔

"ای! ای! مجھے جانے دیں۔ میرا بچہ میرا سرخیل!" اس کے منہ سے بھاگ نکلتے لگی۔ آنکھوں کے آگے شایہ اندھیرا آیا تھا وہ تو کمرہ میں ہاتھوں میں بھول گئی۔ وہ بھی ابھی تو پاؤں دھو کر پانی کی۔ مگر مائزہ باہر بھاگی تو میری گھرا تھی جلدی دھک لکڑی لگائی۔

خواتین بچ رہی تھیں۔ رو رہی تھیں مگر اپنی بہن سے دشمنی تو کوئی بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسی وقت صوب نے اپنی جگہ سے ایک زور دار چھلانگ لگائی اور پہلے زینے پر قدم رکھ دیا۔

"مہمو! مہمو! جاؤ گی۔ مت جاؤ مہمو۔" میں نے مائزہ کو زمین پر لٹا دیا اور اس کے پیچھے لپکی۔

"کوئی بات نہیں کوئی بات نہیں۔" یہی ہی ہی۔ روشنی اوپر بھاگی روشنی میں چلوں گی۔ کوئی بات نہیں ہی ہی ہی۔ "وہ ان سنی کرتی ہستی دو تین تین سیڑھیاں پھلا تھی چلی گئی۔ درمیان کے تینوں زینے دھرام سے نیچے آئے۔ صوب نے اوپر والے زینے کو مضبوطی سے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ اس کا پانی کا دھڑ بچے لٹکا ہوا تھا۔ بندر کی طرح اس نے قلاچ بھری اور آخری زینے کے پاس پہنچ گئی۔ دوسرے پہل وہ اوپر تھی۔

"مہمو! مہمو! سرخیل کو لے کر آؤ۔ میں تمہیں پیسے دوں گی۔ پانچ دس روپے مہوا اچھی مہو سرخیل کو لے کر آؤ۔" میں نیچے سے چلائی۔ اس نے بڑے آرام سے اوپر اوپر دیکھا۔ چند گھنٹے گھڑی میری خوش کس پر غور کرتی رہی پھر ایک دم سے بھاگ کر آگ والے کمرے

میں جلی گئی۔
 ”ممو! ممو!“ میں اور دوسری عورتیں چی رہی
 تھیں۔ چند لمحوں بعد وہ بے ہوش سرخیل کو اپنی چھاتی
 سے لگائے پھر اپنی اس کے بھروسے پاؤں نے معمولی
 سی آگ پکڑ لی تھی۔ وہ انہیں لاپرواہی سے جھاڑ رہی
 تھی۔
 ”ممو! نیچے کو، نیچے کو۔ تین میڑھیاں تو آؤ پھر ہم
 تمہیں پکڑ لیں گے۔“ ایک عورت چلائی اوپر آگ
 پھیل رہی تھی۔
 ”تین پیسے، پانچ روپے، دس روپے، بی سی
 ہی۔“
 ”یہ لو میرے آجائے نیچے۔“ دو تین خواتین نے ٹوٹ
 ہاتھوں میں پکڑ کر کھسکے۔
 ”تین تین آؤں گی ہی ہی ہی۔ اوپر مڑ ہے۔
 بھائی آجائے۔ مارے آجائے، اوپر سب آجائے۔ سب جا میں
 کے آگ میں روشنی میں ہی ہی ہی۔“
 وہ گول گول گھوم رہی تھی، گھومتے گھومتے وہ ایک
 دم سے رکی۔ زینے کے پاس آکر ذرا سا جھکی اور سرخیل
 کو نیچے اچھال دیا۔ چار پانچ خواتین بیک وقت لپکیں اور
 نیچے کو بحفاظت اپنی پانہوں میں لے لیا۔
 اسی وقت سلیمان بھاگا بھاگا آیا۔
 ”مما! کیا ہوا ممما؟“
 ”ممو! ممو! نیچے آجائے، آگ بڑھ رہی ہے۔“ میرا
 اب سارا دھیان ممو کی طرف تھا جو بے فکری سے
 ہنسنے جا رہی تھی۔
 ”سلیمان! ممو کو بچاؤ۔ اسے ایسے نہ مرنے دینا“
 میں نے تمساری دادی سے وعدہ کیا تھا۔
 میں ممو کو تو اس دیتے ہوئے رو رہی۔ اسی وقت
 ملازمہ ساتھ والوں کے گھر سے لکڑی کی میڑھی لے
 آئی۔ سلیمان نے میڑھی دو اربے لگائی اور تیزی سے
 چڑھتا چلا گیا۔ ممو آگ کے دھوئیں کی وجہ سے بری
 طرح کھائس رہی تھی۔ سینہ پکڑے، دوہری ہوئی
 جا رہی تھی۔ وہ شاید گرنے کو تھی کہ سلیمان نے جا کر



اسے سہارا دیا۔ اور اپنی پانہوں میں منبھولی سے جکڑ کر
 اسے کھینچتا ہوا نیچے اتارنے لگا۔ میں نے نیچے سے
 میڑھی پکڑ رکھی تھی۔ لاغری ممو کا وہ نیچے کھینچتا آ رہا
 تھا۔
 سلیمان اسے اسی طرح اٹھائے اٹھائے اندر رلاؤنج
 میں لے آیا پھر شاید فائر بریک کی گاڑی آئی تھی۔ مگر
 مجھے کچھ ہوش نہیں تھا۔ میں ممو کے اوپر جھکی۔
 دیوانوں کی طرح پکارے جا رہی تھی۔
 ”مما! ممو! ٹھیک ہے، بس بندھ جائے گی۔“
 سوری ہے ابھی اٹھ جائے گی، آپ فکر نہ کریں۔“
 سلیمان نے اس وقت کو پکڑ کر اس کی دھڑکنیں
 سب چیک کر ڈالیں۔
 ”اسے تو خیر آتی نہیں، یہ کیسے سو سکتی ہے۔ ممو!
 آج تم نے اس گھر کو تباہ ہونے سے بچالیا۔ مارے کو بچالیا
 ہم سب کو آج مجھے سمجھ آئی کہ خدا نے کوئی بھی دھوکہ
 بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ تم بھی اپنے دوجہ نہیں ہو۔“
 اللہ کے فضلے ہیں اس کی تخلیق سے پہلے راز ہم ندان کیا
 جا میں۔ وہ بھی تو تم جیسوں کو ہم جیسے ہو رہا ہوں گے
 درمیان پیدا کر کے کہتا ہے۔ کوئی بات نہیں۔“
 سارا۔ ان کو بھی جبکہ وہ تمساری طرح ان کو بھی میں
 نے تخلیق کیا ہے۔ تم کون ہوتے ہو میری تخلیق سے
 نفرت کرنے والے۔ مذاق اڑانے والے، منہ بگاڑنے
 والے۔ ممو! تم انہوں ہو اس گھر کا سب سے قیمتی
 وجود۔ ممو! انہیں کھولو۔ ممو! انھوں نامو۔“
 اس کے بوڑھے بھائیوں ذہ چرے پر کرب ہی
 کرب تھا، میں اس کے سرخ سفید بھروسے چلے
 ہوئے پاؤں کو پیار سے سلاقی ارد گرد سے بے نیاز بے
 اختیار پکارے جا رہی تھی۔